انتساب

میری یہ کاوش۔۔۔

شعبِ ابی طالبؑ سے کربلا تک

اور کربلا سے آج کی شامِ غریباں تک کے

ہر اس مجاہدِ راہِ خدا کے نام

کہ جس کا وجودِ وفا و جرأت

تاریخ کی کھردری پیشانی پر

درخشاں محراب کی صورت ضوفشاں ہے

اور شبِ ظلمت میں اپنے ہی لہو میں نہا کر

امیدِ امامؑ کی راہ میں

ایسے چراغ کی مثال روشن ہے

کہ جسے وقت کی آندھیاں۔۔۔

نہ مٹا سکی ہیں۔۔نہ مٹا سکیں گی

اور انہی میں شامل ایک شہیدِ عزا

میرے بھائی۔۔اصغر حسین۔۔کے نام

کہ جس کے ہونٹوں سے نکلا" یا حسینؑ"

آج بھی ترانۂ فتحِ مبین بن کر

میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔۔۔

سید نذر عباس حسنی

عرضِ ناشر

اظہارِ خیال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و آلہ الطاہرین۔ اما بعد

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ زندگی میں کچھ واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں جو نقش بر سنگ کی طرح لوحِ دل پر ثبت ہو جاتے ہیں۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ ۲۰۰۳ء کو ام القریٰ مکہ مکرمہ میں مرجع عالیقدر حضرت آیت اللہ العظمٰی الشیخ بشیر حسین النجفی مدظلہ العالی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور کچھ دیر کے لیے ان کی دلآویز اور روحانیت نواز گفتگو سے لطف اندوز ہونے اور کسبِ فیض کی سعادت ملی، دورانِ گفتگو ان کی آواز میں بھاری پن پیدا ہو گیا اور ان کے دیدۂ تر ان کے قلبِ حزیں کی ملتظرانہ دھڑکن کے ترجمان بن گئے۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں دو جملے بیان کر کے مجھ سمیت تمام حاضرین پر ایک خاص کیفیت طاری کر دی۔ انہوں نے فرمایا "اس وقت دنیا میں دو شخصیتیں مظلوم ہیں، ایک امامِ زمانہ علیہ السلام کہ جو ہم شیعوں اور امت اسلامیہ کی حالتِ زار پر گریاں رہتے ہیں اور کفر آشنا مزاج لوگوں کو آنجنابؑ کے بارے میں گمراہ کرتے رہتے ہیں جبکہ امام زمانہ علیہ السلام ہر جگہ اپنی اور اپنی ماں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی مصیبت اور مظلومیت کو یاد کرتے ہیں۔ دوسری مظلوم شخصیت حضرت ابو طالب علیہ السلام ہیں جو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہم السلام کے والد ہونے اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مربی اور حامی ہونے کے جرم میں اب تک حاسدین کی طرف سے کفر و شرک کے مذموم الزامات کا شکار ہیں"۔ ان دو جملوں میں عقائد اور تاریخ کی ناقابلِ انکار حقیقتوں کا خلاصہ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مئی ۲۰۰۵ء میں جب نجف اشرف میں جناب آیت اللہ العظمٰی کی زیارت کا دوبارہ شرف حاصل ہوا تو ان دونوں جملوں کی یاد تازہ ہو گئی، اور اب ان کے افکارِ عالیہ پر 4159 مشتمل کتاب دیکھنے کی عزت حاصل کی تو ان کے تبحرِ علمی اور ذوقِ تحقیق کی عظمت آشکار ہو گئی۔

اس کتاب میں آپ نے جس طرح عالمانہ انداز میں حضرت امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کی ولادتِ باسعادت پر نہایت مدلل بحث کی ہے، اس کے بعد اگر کوئی شخص اس سلسلہ میں شک و غیر یقینی کیفیت کا شکار ہو تو وہ تین حالتوں سے باہر نہیں ہے (۱) جاہل اور عقلِ سلیم سے محروم ہے۔ (۲) عالم مگر جہالتِ اولیٰ کا اسیر اور تعصبِ فاسد کی آگ کا ایندھن ہے۔ (۳) عالم زرہی میں حق کے افکار کا فطری مجرم ہونے کے باعث ولایت کی نعمت سے محروم اور شقاوت و بدبختی کی لعنت کے ابدی زندان میں محبوس ہے، اور اسے ایمان و خیر سے بہرہ مند ہونے کی توفیق و سعادت نصیب ہی نہیں ہو سکتی، کیونکہ امامِ زمانہ علیہ السلام اہلِ ایمان کے لیے "خیر" ہیں، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے "بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین۔ (ھود۔۸۶)" آیات و روایات اور علمی حوالوں سے مزین یہ کتاب ہر انصاف پسند، فطرت شناس، حق شعار خوش نصیب کے لیے وسیلۂ معرفت اور ذریعۂ ہدایت ثابت ہو گی۔

اللھم ارزقنا زیارۃ امامنا فی الدنیا و شفاعتہ فی الآخرۃ

بجاہ محمد و آلہ الطاہرین

آیت اللہ علامہ حسن رضا غدیری

(لندن)

عرضِ مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ من اول الدنیا الیٰ فناءھا و من الآخرۃ الیٰ بقاءھا۔ الحمدللہ علی کل نعمۃ و استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ یا ارحم الراحمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و نبینا ابی القاسم محمد و الہ الطاہرین۔ لاسیما الحجۃ القائم المہدی عجل اللہ فرجہ الشریف۔ واللعنۃ علی اعداءھم اجمعین۔

امابعد: مہدویت کا تصور مختلف عناوین کے ساتھ تمام ادیان اور فرقوں میں پایا جاتا ہے، اور ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو اس ہستی کی بشارت دیتا ہے جس کی آمد کے بعد بنی نوع انسان پہ چھائی ہوئی ظلم و جور کی تاریک گھٹائیں ختم ہو کر سعادت اور خوش بختی میں تبدیل ہو جائیں گی، اور انسان فلاح و بہبود، خوشحالی، نیک بختی، سعادتمندی اور ترقی کی اس منزل پہ پہنچ جائے گا کہ جس کی آرزو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر انسان کے دل میں دھڑکنوں کی صورت موجود ہے۔

اسی طرح اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے مکمل سعادت اور آئینِ حیات قرار دیا ہے، اپنے ماننے والوں کو اس ہادیٔ برحق کے انتظار کا حکم دیتا ہے جس کے ذریعے خداوندِ عالم اپنے تمام وعدے پورے کرے گا اور عدل و انصاف اور اسلام کو پوری دنیا پہ نافذ کر کے انسان کو اس کے حقیقی مقام سعادت تک پہنچا دے گا۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام سے مروی سینکڑوں بلکہ ہزاروں احادیث میں اس مہدیٔ برحق کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے، اور ہمیں اس مہدیٔ اہلبیت علیہم السلام کے انتظار میں رہنے کا حکم دیا ہے جس کے ذریعے خالقِ کائنات دنیا سے ظلم و جور کو ختم کر کے اسے ہمیشہ کے لیے عدل و انصاف سے بھر دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "افضل اعمال امتی انتظار الفرج من اللہ عزوجل" یعنی میری امت کا سب سے افضل ترین عمل کشائش یعنی امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرنا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "انتظروا الفرج ولا تیأسوا من رَوح اللہ ان احب الاعمال الیٰ اللہ عزوجل انتظار الفرج" یعنی کشائش (ظہورِ امام مہدی علیہ السلام) کا انتظار کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اور اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی اتنی زیادہ روایات کے سبب مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان حضرت امام مہدی علیہ السلام کے وجود اور ان کے ایک دن ظہور میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تمام فرقے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام مہدی علیہ السلام ظہور فرما کر پوری دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کر دیں گے جس طرح سے پہلے یہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔

لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ مسلمانوں کے بعض علماء کہ جن کا تعلق اہلِ سنت سے ہے اپنی عقل کی ناپختگی یا اہلبیت علیہم السلام سے بغض و حسد کی وجہ سے امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں مختلف اعتراضات کر کے مسلمانوں کے اس عقیدہ میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں،

ان نام نہاد علماء کا مقصد فقط یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے شبہات اور اختلافات پیدا کر کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے اور حق پرست حق سے دور ہو جائیں اور حق کے متلاشی حق کو کبھی نہ پا سکیں، لیکن ان کے یہ خواب کبھی پورے نہ ہوں گے، کیونکہ اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان کے نور سے منور کر کے عزت و سعادت عطا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ذلت و رسوائی کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے، یہ فتنہ پرست علماء مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ان کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کے لیے کبھی تو امام مہدی علیہ السلام کی ولادت سے انکار کرتے ہیں، اور کبھی ان کی طولِ عمر کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام کے نام پر مسلمانوں کی شہ رگ پہ خنجر چلانے والے ان علماء کی فتنہ انگیزیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے اور حق کی تلاش میں نکلے ہوئے افراد کی راہ ہموار کرنے کے لیے ان اعتراضات کے جواب دینے اور شبہات کو دور کرنے کی ذمہ داری ہمارے بہت سے علماء اور متعدد اداروں نے اپنے کاندھوں پہ لے رکھی ہے، ان اداروں میں سے ایک ادارہ "مرکز الدراسات التخصصیۃ فی الامام المہدیؑ" بھی ہے، جو گزشتہ چند سالوں سے نجف اشرف میں فکرِ مہدوی علیہ السلام کے فروغ اور مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد و اتفاق کو باقی رکھنے کے لیے کوشاں ہے، یہ ادارہ امامِ زمانہ (عجل اللہ فرجہ) کے بارے میں کیے گئے اعتراضات کے جواب دینے اور فکرِ مہدوی علیہ السلام کو فروغ دینے کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف جلسوں، مجالس و محافل کا انعقاد کرتا ہے، اور اس موضوع پر معلوماتی اور مفید کتابیں بھی شائع کرتا رہتا ہے۔

اس سلسلہ میں رمضان المبارک کی مبارک راتوں میں چند کم فہم افراد کی طرف سے امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) کی ولادت پہ کیے گئے اعتراضات اور شبہات کا جواب دینے کے لیے اس ادارہ نے آیت اللہ العظمیٰ الحاج حافظ بشیر حسین النجفی (دام ظلہ الوارف) کی خدمت میں درخواست کی، اور آیت اللہ العظمیٰ نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ان کی درخواست کو قبول کیا اور تین نشستوں میں امامِ زمانہ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں کیے گئے اعتراضات کے نا صرف منہ توڑ جواب دیئے بلکہ عقلی، عقلائی، شرعی اور فقہی تمام طریقوں سے امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کو ثابت بھی کیا، اور اس بارے میں ایسا عظیم تواتر ثابت کیا جس کے بعد کسی بھی صاحب عقل کے لیے امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) کی ولادت مبارکہ سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کسی کی عقل کو بغض و حسد اور ہٹ دھرمی کے سیاہ پردوں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہو تو ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

ان تین جلسوں کے بعد اس ادارہ نے آیت اللہ العظمیٰ کی خدمت میں امامِ زمانہ علیہ السلام کے بارے میں چند سوالات پیش کیے، جن کے آپ نے نہایت تفصیلی جواب تحریر کر کے ادارہ کے سپرد کیے، اسی ادارہ نے ان تین جلسوں اور ان سوالات کو ان کی اہمیت کے پیشِ نظر کتاب کی صورت میں شائع کیے۔

جب یہ کتاب منظرِ عام پر آئی تو میرے دل میں اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس کتاب کا عربی زبان سے اردو میں ترجمہ کر کے

خدا اور اہلبیت علیہم السلام کا تقرب حاصل کروں اور حقیقت کے متلاشیوں کے لیے نہایت مفید مواد فراہم کر کے اس راہِ ہدایت میں ایک علمی چراغ روشن کروں، پس اپنی اس نیک آرزو کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میں نے قلم اٹھایا اور باب العلم حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے روضہ مبارک کا رخ کیا، اور ان کی ضریح کے قریب جا کر نماز اور زیارت پڑھنے کے بعد میں نے بارگاہِ ایزدی میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا واسطہ دے کر دعا کی "اے پروردگار! میں اس کتاب کا ترجمہ فقط اس لیے کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے ذریعے تیری اور تیری اُس مخلوق کی رضا حاصل کروں کہ جس کی خاطر تو نے کون و مکاں خلق کیا اور اسی طرح اس کے ذریعے شیعیانِ حیدرِ کرار علیہ السلام کے دلوں میں نورِ ایمان کو مزید منور کروں، اور ہر اس شخص کے لیے ہدایت کا زینہ مہیا کروں جو باطل کی ظلمتوں بھری دلدل سے نکل کر حق کے نور میں آنا چاہتا ہے"

پس انہی خلوص، عقیدت اور مودت کے پاکیزہ جذبوں کے تحت قلم ہاتھ میں لیا، اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی ضریح کے قریب بیٹھ کر اس کتاب کا ترجمہ شروع کر دیا، اگر چہ مجھ جیسے طالبعلم کے لیے آیت اللہ العظمٰی حافظ بشیر حسین نجفی صاحب کی فصیح و بلیغ عربی گفتگو کو اردو کے تنگ سانچے میں ڈھالنا انتہائی مشکل تھا، لیکن اللہ کے لطف و کرم اور مولائے کائنات علیہ السلام کی مدد و نصرت سے ترجمہ کا یہ کام آسان ہوا اور یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچی، میں نے حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ کتاب کا ترجمہ عام فہم اور نہایت سلیس الفاظ میں ہو تا کہ ہر شخص اس علمی ذخیرہ سے استفادہ کر سکے، اس مقصد کے لیے بعض مقامات پر عربی عبارت کا لفظ بالفظ ترجمہ کرنے کی بجائے فقط اس کے مفہوم پر اکتفا کیا ہے، اور آیت اللہ العظمٰی نے جو علمی اصطلاحات استعمال کی ہیں بعض مقامات پر ان کی تعریفات کو حاشیہ میں درج کر دیا ہے، اسی طرح قارئین کی آسانی کے لیے تمام احادیث و روایات کے حوالہ جات کو اضافی طور پر شامل کیا ہے۔

آخر میں شکریہ ادا کرتا ہوں الشیخ محمد عبد الغنی الصباغ الاسدی کا، کہ جنہوں نے اس عبادتی کاوش کی تکمیل میں فکری اور عملی تعاون کیا۔ خداوندِ کریم ان کی توفیقاتِ دینی میں اضافہ فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنی بارگاہِ اقدس میں اس کاوش کو قبول فرمائے، آیت اللہ العظمٰی حافظ بشیر حسین نجفی صاحب قبلہ کو طولِ عمر عطا فرمائے اور انہیں مکتبِ اہلبیت علیہم السلام کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اپنی آخری حجت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہورِ پُر نور میں تعجیل فرمائے اور ہمیں ان کی معیت میں حق کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (الٰہی آمین)

سید نذر عباس حسنی

نجف الاشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ نُرِیْدُ اَنْ نَمُنَّ عَلٰی الَّذِیْنَ اُسْتُضْعِفُوا فِی الاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ آءِمَّۃً وَ نَجْعَلَهُمُ الوَارِثِیْنَ

پہلی نشست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ افضل الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد وآلہ الطیّبین الطاہرین المعصومین

واللعنۃ الدائمۃ علیٰ اعداءہم الیٰ قیام یوم الدین

یاصاحب الزمان ادرکنی عجّل اللہ فرجہ

شاید یہ حوادثِ دنیااور مصائبِ دہر کا نتیجہ ہے کہ آج ہمیں دنیا کے سامنے جناب ولی عصر عجّل اللہ فرجہ کی ولادت ثابت کرنے کی ضرورت پڑرہی ہے اور ولادت المنتظر (ع) کو ثابت کرنا بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے یوم غدیر کا ثابت کرنا ہے.

وہ یوم غدیر کہ جس کو ہزاروں لوگوں نے دیکھااور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا(من کنت مولاہ فعلی مولاہ) اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقط اس پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ امیر المؤمنین علیہ السلام کا ہاتھ پکڑااور بلند کرکے لوگوں کو دیکھایا کہ یہی وہ علیؑ ہے کہ جو میر ابلا فصل خلیفہ ہے،اور اپنا عمامہ اپنے ہاتھوں سے مولا علی علیہ السلام کو پہنایا کچھ دن مقام غدیر میں قیام فرمایااور تمام لوگوں سے مولا علی علیہ السلام کی بیعت لی. لیکن افسوس کہ ان تمام باتوں کے باوجود لوگ آج ہم سے غدیر کی سند مانگتے ہیں اور ہم مضطر ہیں کہ غدیر کی سند کو ثابت کریں۔

یہ بدبختیِ زمانہ ہے کہ ہم دنیا کے سامنے یوم غدیر کی سند ثابت کرنے کے محتاج ہیں اور اسی طرح یہ بھی زمانے کی بدبختی ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم سب مل کر جناب ولی عصر عجّل اللہ فرجہ (ہماری جانیں ان پر قربان ہوں) کے فرامین،ان کی نصیحتوں اور ان کے اوامر سے فائدہ حاصل کریں،زمانہ ہم سے ان کی ولادت کے اثبات کا طالب ہے۔

بہر حال ولادت ولی عصر علیہ السلام کو ثابت کرنا ایک بہت بڑی مصیبت ہے کہ جس کا اندازہ ہمارے دل ہی کرسکتے ہیں، مگر یہ مصیبت اس مصیبت سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی جو اھل بیت علیہم السلام نے کربلا کے میدان میں برداشت کی اور جو مصیبتیں ائمہ اطہار علیہم السلام اور ان کے اصحاب نے اپنی زندگیوں میں برداشت کیں اور اسی طرح یہ درد اور مصیبت اس بات سے عظیم نہیں کہ آج یہ دنیا آلام اور ظلمتوں سے بھری پڑی ہے اور ہم اپنے امام اور حقیقی مرجع کی زیارت سے محروم ہیں جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"الجنۃ محفوفۃ بالمکارہ والنّار محفوفۃ بالشّھوات"

ترجمہ:۔ جنّت اس کی طرف سعی اور اس کے حصول کی کوشش میں لپٹی ہوئی ہے،اور جہنّم خواہشات دنیا میں۔یعنی اگر جنت خواہشات میں لپٹی ہوئی ہوتی تو شاید کوئی بھی اس کے حصول کی کوشش میں پیچھے نہ رہتا

ولادتِ امام زمانہ علیہ السلام پر کیے گئے اعتراضات:

وہ اعتراضات جو ہمارے بارہویں آقاوامام علیہ السلام کے بارے میں کیے گئے ہیں انتہائی معمولی اور کمزور نوعیت کے ہیں

کہ کوئی شخص بھی ان کی طرف توجہ نہیں دیتا، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا یہ حوادثِ زمانہ اور بدبختیِ روزگار ہے کہ آج ہمیں اپنے امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کو ثابت کرنے کے لیے ان معمولی معمولی اعتراضات کے بھی جواب دینے پڑتے ہیں۔ انشاءاللہ ہم ان اعتراضات اور شبہات کی طرف اشارہ کریں گے اور بطور تمہید کچھ مقدمات کو ذکر کرنے کے بعد ہم ثابت کریں گے کہ ولادت امام علیہ السلام بلاشک وشبہ ایک وجدانی امر ہے جو سورج کی طرح روشن اور واضح ہے کہ جس کو ہر ایک شخص دیکھ اور محسوس کر سکتا ہے سوائے اُس کے کہ جو اندھے پن میں مبتلا ہونے کی وجہ سے سورج کو نہ دیکھ سکے۔

بعض مؤرخین اور بعض اھل نسب جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ علم الانساب کے بہت بڑے عالم ہیں، امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت اور وجود مادی کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی اور وہ بے اولاد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کا انکار کرنے والوں میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھائی جعفر، طبری اور ابن تیمیہ شامل ہیں۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منھاج السنۃ جو کہ اس نے شیعوں پر سبّ وشتم کرنے کے لیے لکھی، اس میں اس نے امام زمانہ علیہ السلام کے وجود کا انکار کیا ہے۔ اِن لوگوں کے انکار کی وجہ شاید اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ جیسا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ فرماتے ہیں:۔ ''ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارہم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم''

ترجمہ: ''اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہریں لگادی ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''

اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جو امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کے اثبات سے انکار کرتے ہیں، بغض اہلبیت علیہم السلام کی وجہ سے ان کے دلوں اور کانوں پر مہریں لگ چکیں ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں کہ جس کی وجہ سے یہ لوگ امام زمانہ علیہ السلام کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

امامِ زمانہ علیہ السلام کی ولادت سے انکار اور اعتراضات کی بُنیاد:

1۔ بعض اھل نسب کے نزدیک ولادت کا ثابت نہ ہونا۔

2۔ جعفر کذاب کا ولادتِ امام زمانہ علیہ السلام سے انکار کرنا۔

3۔ حکومت کا امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر پر چھاپہ مارنا اور امام المنتظر علیہ السلام کو نہ پانا۔

4۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کا اپنے مال کی وصیّت اپنی والدہ ماجدہ کے لیے کرنا۔

5۔ امام المنتظر علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے ناموں میں اختلاف کا ہونا۔

یہ وہ بڑے شبہات ہیں کہ جن کو بنیاد بنا کر امام زمانہ (ع) کے وجود سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

قبل اس کے کہ مندرجہ بالا اعتراضات کو رد کرتے ہوئے ان کے جوابات دیں پہلے تمھید کے طور پر چند مقدمات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

پہلا مقدمہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ تقریباً تمام اہل اصول کے نزدیک تواتر علم کا فائدہ دیتا ہے سوائے چند ایک کے، کہ جن کا تعلق اہل سنت سے ہے، لیکن اہل سنت کے بڑے بڑے اور اکابر اصولی علماء نے ان بعض کے قول کو رد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ تواتر علم کا فائدہ دیتا ہے اور بعض اصولیوں کا یہ نظریہ ہے کہ تواتر علم وجدانی کا درجہ رکھتا ہے، جیسا کہ غزالی نے اپنی کتاب " المستصفی فی علم الاصول " میں یہی قول لکھا ہے اور بعض اصولی علماء بھی یہ کہتے ہیں کہ تواتر اطمینان کا فائدہ دیتا ہے یعنی تواتر اطمینان کا درجہ رکھتا ہے نہ کہ علم وجدانی کا۔ اس بات سے عقلاء میں سے کسی نے بھی علمی حوالے سے انکار نہیں کیا کہ تواتر ہی افضل الاخبار اور احسن الاخبار ہے اور کسی خبر کو ثابت کرنے کے لیے سب سے بہتر ذریعہ ہے اور وہ طلاب جو مدارس میں پڑھتے ہیں یا جن لوگوں کی علم منطق وغیرہ سے واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ تواتر یقینیات میں سے ہے اور یہ بات ان تمام کتبِ منطقیہ (کہ جن کو شیعہ و سنی علماء نے تحریر کیا ہے) میں موجود ہے کہ تواتر ان امور میں سے ہے کہ جن پر عقلاء اعتماد کرتے ہیں بلکہ دین و دنیا کے تمام کاموں کے لیے اسے بنیاد قرار دیتے ہیں۔

ہمارا کلام چند اہم نکات میں ہے پس جیسا کہ کہا گیا کہ تواتر (1) خبر کی ایک قسم ہے اور خبر میں یہ شرط ہے کہ خبر دینے والا جس چیز کی خبر دے اُس کو اپنے حواس کے ذریعے سے درک بھی کرے مثال کے طور پر اپنی آنکھوں سے دیکھے یا ہاتھوں سے چھوئے یا کانوں سے سنے یا ناک سے سونگھے یا پھر زبان سے چکھے لیکن کچھ ایسی بھی اشیاء ہیں کہ جن تک حواسِ خمسہ میں سے کسی ایک کے ذریعے سے بھی رسائی نہیں ہو سکتی، پس جب کوئی ایسی چیز ہو کہ حواس خمسہ سے بھی اس تک رسائی ممکن نہ ہو تو پھر کس طرح سے اخبار کے ذریعے یا قاضی کی گواہی یا خبرِ واحد یا پھر خبرِ متواتر سے اس کو ثابت کریں گے؟ مزید وضاحت کے لیے ایک مثال عرض کرتے ہیں کہ عادل کی عدالت کو ثابت کرنا کیسے ممکن ہے؟ خصوصاً اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے (جیسا کہ معروف بھی یہی ہے) کہ عدالت ایک ملکہ (2) ہے، پس کیسے ثابت کیا جائے کہ مثلاً زید عادل ہے اس کی عدالت کس طرح سے ثابت ہو گی؟

اس کا جواب کچھ اس طرح سے دیا جاتا ہے کہ زید کی عدالت کی خبر دینے والا زید کے ساتھ یا اس کے قریب کچھ عرصہ بسر کرے تو اس عرصہ کے دوران اُس پر واضح ہو جائے گا کہ زید عادل ہے یا نہیں اور اس خبر کے دینے والے کو اس بات پر اطمینان ہو جائے گا اور یہ اطمینان اس کو زید کے رہن سہن، دوسروں سے میل ملاپ اور کردار و عمل کے مشاہدہ سے حاصل ہو گا۔

پس اس مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب کسی ایسی چیز کی خبر دینا مقصود ہو جسے حواسِ خمسہ سے درک کیا جا سکے تو خبر دینے والا اس کو حواسِ خمسہ سے درک کرتا ہے مثال کے طور پر خبر دینے والا دیکھتا ہے کہ زید نے ہاتھ کو بڑھایا تالا توڑا اور چوری کر لی (اس مقام پر تو وہ آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے) لیکن اگر کسی ایسی چیز کی خبر دینا مقصود ہو کہ جس کو حواسِ خمسہ سے درک نہ کیا جا سکے تو یہ خبر اور گواہی معاشرت پر موقوف ہو گی یعنی ان امور پر موقوف ہو گی جن امور کا مشاہدہ کرنے کے بعد اطمینان اور علم حاصل ہو جائے کہ زید عادل ہے۔

---

(1)۔ تواتر سے مراد وہ خبر ہے جس کے بیان اور نقل کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ جس سے اس خبر کے بارے میں کسی قسم کے شک یا جھوٹ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

(2)۔ فلسفہ میں ملکہ اس صفت کو کہتے ہیں جو مسلسل تکرار اور ممارست کی وجہ سے انسان کے اندر اس طرح راسخ ہو جائے کہ انسان اسے کبھی ترک نہ کر سکے یا پھر اسے یہ صفت چھوڑنے کے لیے ایک لمبے عرصے کی ضرورت ہو۔ (مترجم)

شجرہ نسب کا ثابت کرنا:

کسی شخص کا کسی کی اولاد ہونا ایک ایسی چیز ہے کہ جسے محسوس نہیں کیا جا سکتا، یعنی زید ابن عمرو کے بارے یوں یہ کہنا کہ وہ عمرو کے ہی نطفہ سے ہے اور اس بات کا اندازہ مشاہدہ کے ذریعے لگانا کہ وہ عمرو کے نطفہ سے ہی ہے، ایک ناممکن اور محال سی بات ہے کیونکہ زید کی پیدائش کافی مراحل سے گزرنے کے بعد ہوئی ہے کہ جن میں سے اکثر کو ہم حواسِ خمسہ سے درک نہیں کرسکتے۔ ہاں البتہ اس بات کو مشاہدہ کے ذریعے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً عمرو اپنی زوجہ سے ہمبستر ہوا، کیونکہ اس بات کا اندازہ بعض اوقات حواس کے ذریعے لگایا جا سکتا ہے، لیکن آیا زید عمرو ہی کے نطفہ سے وجود میں آیا ہے؟ اس کا مشاہدہ کرنے کا قطعاً کوئی طریقہ نہیں ہے، خواہ یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ عمرو اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا تھا لیکن یہ کیسے ثابت ہو گا کہ زید عمرو ہی کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے؟ اس بات کو قطعاً ہم نہیں جان سکتے، بلکہ بعض فقہاء شیعہ و سنی تو یہ کہتے ہیں کہ بچہ جس کے بستر پر پیدا ہوتا ہے وہ اسی کا ہی ہوتا ہے اور اسلام بھی ظاہراً یہی حکم لگاتا ہے، کیونکہ بچہ کی حقیقی نسبت ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے، اس لیے کہ ممکن ہے کسی شخص کا نطفہ کسی جگہ پڑا ہو اور اسی جگہ پر کوئی عورت بیٹھ جائے اور عورت کا رحم باہر سے اس نطفہ کو جذب کر لے، پس اس نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ حقیقت میں اس کے شوہر کے نطفے سے نہیں ہے اور ایسا ہونے کا احتمال موجود ہے پس ثابت ہوا کہ ہمارے لیے اس کا اندازہ لگانا کہ فلاں شخص فلاں کے نطفے سے پیدا ہے ناممکن ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے جس سے نطفہ عورت کے رحم میں چلا گیا اور اس کے علاوہ اور بھی دوسرے طریقے ہیں کہ جن کے ذریعے نطفہ رحم میں چلا جاتا ہے، اب کیسے ہم جان سکتے ہیں یہ نطفہ فلاں شخص کا ہی ہے، چاہے عورت مؤمنہ، عادلہ اور صالحہ ہی کیوں نہ ہو، جبکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ عورت کا رحم نطفہ کو جذب کرتا ہے۔

اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لیے ہم ابو حنیفہ کا وہ فتویٰ پیش کرتے ہیں (جسکو حنیفہ اور اس کے علاوہ بہت سے افراد نے نقل کیا ہے) یہ فتویٰ ابن قدامہ کی کتاب "المغنی" میں موجود ہے اور اس کے علاوہ بہت سی کتب میں اس کا ذکر ملتا ہے اور یہ فتویٰ کافی معروف ہے، اس فتویٰ میں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جو کہ مشرق میں ہے اس نے ایک ایسی عورت سے شادی کر لی جو کہ مغرب میں ہے کچھ عرصے کے بعد اس عورت کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ شوہر و بیوی میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں ہے، اس صورت میں شوہر کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کہے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے "ہوا" (Air) نے اُس کے نطفے کو اٹھایا ہو اور ایسی جگہ لا کر پھینک دیا ہو کہ جس جگہ یہ عورت رہتی ہے اور اس جگہ سے اس عورت کے رحم نے اس نطفہ کو جذب کر لیا ہو اب اگر شوہر اس بچے کو اپنا قرار دینے سے انکار کرتا ہے تو اس مسئلہ کو لعان (1) کے ذریعے حل کیا جائے۔

پس اس تمام گفتگو سے ثابت ہوا کہ مشاہدہ کے ذریعے سے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ثابت کریں فلاں شخص فلاں انسان کے نطفے سے وجود میں آیا ہے، حدِ اکثر ہم اس چیز کا مشاہدہ کرسکتے ہیں کہ فلاں شخص اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستر ہوا اور اس کے کچھ عرصے کے بعد اس کی بیوی کے ہاں ایک بچہ کی پیدائش ہوگئی، اس سے زیادہ ہم کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرسکتے۔ پس جب یہ چیز ثابت نہیں ہوسکتی تو پھر کسی کا نسب کس طرح ثابت ہوگا؟ تو نسب کو بھی اسی طریقہ سے ثابت کریں گے کہ جس طریقہ سے عدالت کو ثابت کیا جاتا ہے (اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ عدالت ایک ملکہ ہے یعنی کسی شخص کا عادل ہونا ایک ملکہ ہے) اور اس کو ہم اس شخص سے معاشرت کے ذریعے اور ان امور کے مشاہدہ کے ذریعے ثابت کریں گے کہ جن امور کا تعلّق عدالت سے ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی کسی نسب کو درست ماننے کے لیے ان امور کا مشاہدہ کرنا ہوگا جو کسی بھی نسب کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہوتے ہیں، مثال کے طور باپ کا اعتراف کرنا کہ یہ میرا بیٹا ہے کیونکہ یہ میرے بستر پر پیدا ہوا ہے، یا بیٹے کا اعتراف کرنا کہ فلاں شخص میرا باپ ہے، یا پھر باپ اور بیٹا دونوں ہی اس بات کا اعتراف کریں کہ مثلاً باپ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور بیٹا بھی اس کی تصدیق کرے، یا پھر اس چیز کا مشاہدہ کہ یہ بچہ فلاں کی بیوی کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کا مشاہدہ ہم کرسکتے ہیں اور اسی مشاہدہ کی بنا پر نسب کو ثابت کیا جاتا ہے اس کے علاوہ کسی کے نسب کو ثابت کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔

گزشتہ تمام گفتگو اور پہلے مقدمے کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کا نسب ثابت کرنا اور یہ ثابت کرنا کہ وہ فلاں شخص کا بیٹا ہے، شہادت اور گواہی پر موقوف ہے جس میں وہ اعتراف کرے کہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے یا کوئی گواہی دے کہ فلاں میرا باپ ہے، یا پھر عورتیں یا ان کے علاوہ کوئی اور گواہی دے کہ یہ بچہ فلاں عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے (اس سے بچے کا نسب فقط اپنی ماں کی طرف سے ہی ثابت ہوگا) اور کسی کا نسب اس کے باپ کے حوالے سے ثابت کرنا سوائے اعتراف کرنے کے ناممکن ہے، یا فقط اس کے، کہ یہ بچہ فلاں کے بستر پر پیدا ہوا، لہٰذا یہ اسی کا ہے جیسا کہ ہم پہلے یہ بات بتا چکے ہیں۔

یہ تھا وہ پہلا مقدمہ کہ جس کو ذھن نشین کرنا اس پوری بحث کے لیے بہت اہم و ضروری ہے جو کہ ہم برادران کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

---

(1)۔ لعان سے مراد یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر یہ الزام لگائے کہ میں نے اسے زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور بیوی اس بات سے انکار کرے اور شوہر کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو اس وقت اس مسئلہ کو اس طرح سے حل کیا جائے گا کہ شوہر اور بیوی دونوں حاکم شرعی کے پاس جائیں۔ اور حاکم شرعی کی موجودگی میں پہلے شوہر چار مرتبہ یہ کہے (اشهد بالله انی لمن الصادقین فیما قلته عن هذه المرأة) پھر ایک مرتبہ کہے (ان لعنة الله علیّ ان کنت من الکاذبین)

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ بھی میں نے اس عورت کے بارے میں کہا ہے سچ ہے۔ اگر میں نے اس کے بارے میں جھوٹ بولا ہے تو خدا مجھ پر لعنت کرے''۔ پھر اس کے بعد عورت بھی چار مرتبہ کہے (اشھد باللہ انہ من الکاذبین) پھر ایک مرتبہ کہے (ان غضب اللہ علیّ ان کان من الصادقین)۔ ترجمہ: '' میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میرا شوہر جھوٹ بول رہا ہے اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو خدا مجھ پر اپنا غضب نازل کرے''۔ اس کے بعد مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں گے۔ مزید تفصیل کے لیے کسی فقہی کتاب کی طرف رجوع کریں۔ (مترجم)

دوسرا مقدمہ:

"کسی چیز کا نہ پایا جانا اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا"

یہ ایک قاعدہ عقلیہ ہے، بشرطیکہ مدِمقابل صاحب عقل ہو۔۔! اگر انسان کسی شے کو ایک کمرے میں تلاش کرتا ہے لیکن وہ چیز اس کو نہیں ملتی، تو اس چیز کا اس کو نہ ملنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ چیز کمرے میں موجود نہیں ہے، خصوصاً اُس وقت جب وہاں کچھ ایسی وجوہات اور کچھ ایسے اسباب ہوں جو کہ اس چیز کو مخفی رکھنے کا تقاضا کریں۔ پس ایسے حالات میں اس چیز کا نہ ملنا اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرے گا اس قاعدہ عقلائیہ (کسی چیز کا نہ ملنا اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا) کے تحت علماء شیعہ و سنّی نے مختلف علوم میں بہت سی ابحاث کو مرتّب کیا ہے اور ان علوم میں فقہ اور اصول بھی شامل ہیں کہ جن کے بہت سے ابواب میں اسی قاعدہ عقلیہ کی بناء پر بہت سے شرعی مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جارح(1) کے قول کو معدّل(2) کے قول کے مقابلے میں ترجیح دی جاتی ہے اور اسی کو تسلیم کیا جاتا ہے، یعنی مثال کے طور پر دو آدمیوں میں کسی راوی کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ وہ عادل ہے یا نہیں، اور ایک کہے کہ یہ راوی عادل ہے، دوسرا کہے کہ یہ فاسق ہے تو اس جگہ ان میں سے کس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا؟

اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص اس راوی کے فاسق ہونے کا حکم لگاتا ہے اس کی بات تسلیم کی جائے گی کیونکہ جو شخص اس راوی کے عادل ہونے کا کہتا ہے، وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس راوی کے ساتھ رہ چکا ہوں، میں نے اس کو بڑے قریب سے دیکھا ہے، اس کے ساتھ نماز وغیرہ پڑھتا رہا ہوں، روزے رکھتا رہا ہوں، اور وہ ایک طویل عرصے تک میرا دوست رہا ہے، اور میں نے اس پورے عرصے میں اس میں کسی قسم کی کوئی برائی نہیں دیکھی۔ پس یہ راوی عادل ہے لیکن جارح آ کر کہتا ہے کہ میں نے خود اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ شراب پی رہا تھا یا پھر کوئی اور جرم کرتے ہوئے میں نے اس کو دیکھا ہے، اس حالت میں جارح کے قول کو تسلیم کیا جائے گا اور اس کا قول قبول کرنے سے اس شخص کو جھٹلانا صادق نہیں آئے گا جو اس کی عدالت کا قائل ہے، لیکن اگر عدالت والے قول کو ترجیح دی جائے تو راوی کی عدالت کا قائل کہتا ہے کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا اور دوسرا کہتا ہے دوسرے کو جھٹلانا صادق آئے گا، کیونکہ کہ میں نے خود اس کو جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہے، مثلاً اس نے اس راوی کو اخبار اور روایات میں گڑبڑ کرتے

---

(1)۔ جارح سے مراد وہ شخص ہے کہ جو کسی راوی کے غیر معتبر اور عادل نہ ہونے کا دعویٰ کرے۔ مترجم

(2)۔ معدّل سے مراد وہ شخص ہے کہ جو کسی رواي کے معتبر اور عادل ہونے کا دعویٰ کرے۔ مترجم

دیکھتاہے کہ وہ اپنے سے ہی من گھڑت روایات بیان کرتا ہے، یا پھر وہ روایات کو اس کی طرف ہوئے دیکھا ہو یا پھر وہ یہ منسوب کرتا ہے کہ جس کو اس نے دیکھا تک نہیں بلکہ پیدا ہی ان کے بعد ہوا ہے، پس ضروری ہے کہ اس راوی کی روایات کو قبول نہ کیا جائے، بلکہ ان کو رد کر دیا جائے، باوجود اس کے کہ ایک شخص اس راوی کی عدالت کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔۔ پس کسی شے کا نہ ملنا اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔۔

بنابر ایں علماء فرماتے ہیں کہ اس شخص کا راوی سے معصیت کو صادر نہ ہوتے دیکھنا، اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس سے معصیت سرزد نہیں ہوئی ہے، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے بارے میں بہتر جانتے ہیں کہ کون عادل ہے اور کس حد تک کون گناہگار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی غیب کا علم رکھنے والے ہیں بہر حال یہ ایک اور مطلب ہے، ہماری بحث یہاں ظاہری قوانین اور ضوابط کے بارے میں ہے، اور ظاہری ضابطہ اور کلیہ کسی نہ کسی عقلی قاعدے پر مشتمل ہوتا ہے، اور یہ قاعدہ دنیا کے ہر علاقے اور ہر قوم کے افراد کے درمیان موجود اور ثابت شدہ ہے کہ عدم وجدان عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا، یعنی اگر کسی کو کوئی چیز نہ ملے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چیز موجود ہی نہیں۔

احسان الٰہی ظہیر، ابن تیمیہ اور ان کی اتباع کرنے والوں کے قول کو جو چیز تقویت دیتی ہے وہ ان بعض اہلِ نسب کے اقوال ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کا مشن فقط اہل بیت علیہم السلام کی دشمنی اور بغض قرار دیا تھا، یہ اہلِ نسب کہتے ہیں کہ ہمارے پاس امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے، یا وہ کہتے ہیں کہ ہم امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں نہیں جانتے، یعنی ان اہلِ نسب کی بات کا مطلب یہ ہے کہ وہ امام علیہ السلام کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کر سکے اور کسی چیز کا عدمِ حصول اور کسی چیز کا نہ پانا اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا، ان اہلِ نسب کی اخبار اور ان کے یہ اقوال اگرچہ غلط ہیں، اور انشاء اللہ ہم ان اقوال کو غلط ثابت کریں گے، لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ اقوال درست ہیں تب بھی ابن تیمیہ اور احسان الٰہی ظہیر نے جن لوگوں کی اخبار کو بنیاد بنایا ہے ان کی یہ اخبار اور اقوال فقط اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ امام علیہ السلام کو نہیں پا سکے، یا ان کے بارے کوئی معلومات نہیں حاصل کر سکے، ان اہلِ نسب کی اخبار سے امام علیہ السلام کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اور نہ ہی کبھی امام علیہ السلام کا نہ ہونا ثابت ہو سکتا ہے، اس لیے کہ نہ پانا نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا یہ ایک عقلی قاعدہ کلیہ ہے "بشرطیکہ مدِمقابل صاحب عقل ہو تو۔۔!" اور اس عقلی قاعدہ کلیہ کا انکار کرنا ممکن نہیں ہے، جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ دنیا کے ہر علاقے اور ہر فرد کے نزدیک یہ قاعدہ ثابت ہے، اس سے زیادہ ہم اس واضح قاعدہ کلیہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔

تیسرا مقدمہ:

"دل کا بغض و نفاق سے پاک ہونا"

ہماری اس تمہیدی گفتگو میں یہ شرط بھی شامل ہے کہ دل کو بغض، حسد اور دشمنی وغیرہ سے خالی ہونا چاہیے اور اِس کو پوری بحث میں مدِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب "المستصفی" میں تواتر کے بارے بحث کرتے ہوئے آخر میں کہا ہے کہ رافضی تواتر میں شرط لگاتے ہیں کہ تواتر تب علم کا فائدہ دے گا جب راویوں میں معصوم علیہم السلام بھی شامل ہوں لیکن علماء شیعہ اور سنّہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس نے تواتر کے بارے یہ شرط لگائی ہو، ہاں البتّہ سیّد مرتضٰی علم الھدیٰؒ نے تواتر سے علم کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے جو شرائط بیان کی ہیں، ان میں ایک شرط کا اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقل تواتر سے علم اور یقین کا فائدہ حاصل کرتی ہے، بشرطیکہ عقل تعصّب دشمنی اور شخصی اتجاو تقلید سے خالی ہو اور اگر ذہن میں دشمنی اور تعصّب کی وجہ سے اعتقاد اس طرح سے بھرا ہو کہ یہ بات ایسے نہیں ہے تو جیسے جیسے تواتر میں اس کے عقیدے کے خلاف خبر دینے والے بڑھتے جائیں گے، اس کی دشمنی و بغض اور تعصّب بھی بڑھتا چلا جائے گا، اور یہی حال امام علیہ السلام کی ولادت کا انکار کرنے والوں کا ہے، جوں جوں ان کو امام علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں اخبار تواتر سے نظر آئیں گے، اُن کی امام علیہ السلام سے دشمنی اور تعصّب بھی بڑھتا چلا گیا سیّد مرتضٰیؒ نے شرط عائد کی ہے کہ یہ تواتر یقین کا فائدہ اُس وقت دے گا جب انسان کا دل اس خبر کے سننے کے بعد تعصّب اور دشمنی سے پاک رہے (یہ سیّد مرتضٰی کے کلام کا خلاصہ تھا) اور اگر اس خبرِ متواتر کا سننے والا پہلے سے ہی اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ بات اس طرح نہیں ہے تو چاہے پوری دنیا ہی اسے اس بارے میں خبر دے تو وہ قطعاً نہیں مانے گا، پس اُس شخص کو خبر متواتر سے علم حاصل نہیں ہو گا یہ گزشتہ شرط تو موجود ہے، لیکن سیّد مرتضٰیؒ نے اور باقی کسی عالم دین نے بھی یہ شرط نہیں لگائی کہ تواتر میں معصوم علیہ السلام کا شامل ہونا بھی ضروری ہے، البتّہ لفظ معصوم کو شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب "الغیبۃ" میں ذکر کرتے ہوئے کہا ہے" اگرچہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھائی جعفر نے ولادت سے انکار کیا ہے، لیکن اس کا انکار ان اخبار اور روایات کے مقابلے میں یقین اور علم کا فائدہ نہیں دیتا کہ جو روایات امام علیہ السلام کی ولادت کو ثابت کرتی ہیں، کیونکہ جعفر معصوم نہیں ہے اور جب وہ معصوم نہیں تو اس کی خبر ان روایات اور اخبار کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں رکھتی جو روایات امام علیہ السلام کی ولادت کو ثابت کرتی ہیں، اور شیخ طوسیؒ کا یہ قول وہ نہیں ہے جس کو امام غزالی نے اپنی کتاب" المستصفی" میں مذہب جعفریہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ شیعہ تواتر میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس میں امام معصوم علیہ السلام بھی شامل ہوں۔

یہ وہ بعض مقدمات اور تمہیدی گفتگو تھی کہ جس کو ملحوظ خاطر رکھ کر اور اس کو بنیاد بنا کر ان شبہات اور اعتراضات کا

جواب دیں گے جو دشمنان اہل بیت علیہم السلام اور امام المنتظر عجّل اللہ فرجہ کے دشمنوں نے ان پر کیے ہیں، اور آئندہ جلسے میں مزید کچھ مقدمات آپ بھائیوں کی خدمت میں پیش کریں گے۔ انشاءاللہ

والحمدللہ رب العالمین

سوالات وجوابات

جناب آیت اللہ العظمیٰ الشیخ بشیر حسین نجفی صاحب کے ساتھ پہلی نشت کے اختتام پر حاضرین جلسہ نے ان کے سامنے امام زمانہ علیہ السلام اور ان سے مربوط موضوعات پر مختلف سوالات پیش کیے، ذیل میں ہم ان سوالات اور ان کے جوابات (جو جناب آیت اللہ العظمیٰ الشیخ بشیر حسین نجفی صاحب نے دیئے) کو بھی اس کتاب میں شامل کر رہے ہیں۔

مترجم

سوال ۱: وہ کون سا طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے ہم امام الحجۃ علیہ السلام کی ولادت کو جلد سے جلد ثابت کر سکتے ہیں؟

جواب: ہاں یہی وہ سوال ہے کہ جس کے جواب کی خاطر ہم سب یہاں اس جلسہ میں جمع ہوئے ہیں اور انشاء اللہ ان تمہیدی مقدمات اور اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کو تواتر کے ذریعے ثابت کریں گے۔

سوال ۲: کیا اہل سنّت بھی امام مھدی عجّل اللہ فرجہ کے بارے میں ایمان رکھتے ہیں اور کیا ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ امام علیہ السلام آخری زمانے میں ظہور فرمائیں گے؟

جواب: ہاں ان کے ہاں بہت زیادہ روایات ہیں کہ جن کو ہمارے علماء نے بھی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔ مثال کے طور پر کتاب حلیۃ الابرار یا اس کے علاوہ دوسری بہت سی کتابیں ہیں، جن میں یہ روایات موجود ہیں، وہ روایات جو سنّی حضرات کی کتابوں میں موجود ہیں، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں نبی سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ایک بیٹا ظاہر ہوگا جب زمین ظلم وستم سے بھر جائے گی تو وہ آکر اس زمین کو عدل وانصاف سے پُر کر دے گا۔

اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ میں نے ابھی تک ان روایات میں یہ نہیں پایا کہ امام علیہ السلام آخری زمانہ میں پیدا ہوں گے، بلکہ تمام روایات ہی یہی کہتی ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظہور فرمائیں گے، اور یہ ان کا امام علیہ السلام کے وجود کے بارے میں ایک حتمی اعتراف ہے کہ وہ اس وقت مخفی ہیں اور مخفی ظاہر ہوتا ہے نہ کہ پیدا ہوتا ہے۔

سوال ۳: اہل سنّت کو امام الحجۃ علیہ السلام کی ولادت کا انکار کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

جواب: وہ ایسا فقط اور فقط مذہب جعفریہ کو طعن و تشنیع کرنے اور لوگوں کو مذہبِ حق سے دور رکھنے کے لیے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب جعفریہ کو ماننے والے خرافات پر ایمان رکھتے ہیں وہ ایسی چیزوں پہ ایمان نہیں رکھتے کہ جن کو عقل تسلیم کرے اس سے زیادہ اہل سنّت کا کوئی مقصد نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ بارہویں امام علیہ السلام (خدا ان کا ظہور فرمائے) کے وجود پر ایمان لے آئیں تو ضروری اور لازمی ہے کہ وہ ان کے والد امام حسن عسکری علیہ السلام پر بھی ایمان لائیں، اور جب وہ گیارہویں امام پر ایمان لائیں گے تو لازمی بات ہے کہ ان کے والد امام علی نقی علیہ السلام کی امامت پر بھی ان کو ایمان لانا پڑے گا، اور اسی طرح سے کرتے کرتے وہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور آخر میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے بھی قائل ہو جائیں گے، اس طرح سے ان کو بارہ اماموں پر ایمان لانا پڑے گا، جس سے ان کے وہ خیالی محلات گر جائیں گے جو انھوں نے اپنے چار اماموں کی آراء پہ بنائے ہیں، پس وہ اپنے ان خیالی محلات کی حفاظت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا امام علیہ السلام کی ولادت کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ اس سے انکار ہی کرتے ہیں۔

سوال ۴: وہ کون سا ایسا راز ہے کہ جس کے تحت امام علیہ السلام کو مخفی رکھا گیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور بھی بہت سے طریقوں سے امام علیہ السلام کی حفاظت کر سکتا ہے؟

جواب: یہ ایک عجیب سوال ہے اللہ تعالیٰ کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کرنا ممکن تھا لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت ان کو مخفی رکھ کر کی، اسی طرح اگر خدا چاہتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین پر ہی قتل سے محفوظ رکھ سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر مخفی رکھ کر ان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ سے اس کے فعل کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا۔

سوال ۵: جو شخص امام الحجۃ علیہ السلام کی ولادت کا انکار کرے شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: وہ ضروریاتِ مذہب میں سے ایک ضروری امر کا منکر ہے وہ شیعہ اثنا عشری نہیں کہلائے گا، لیکن اس پر کفر یا

اس کے نجس ہونے کا حکم نہیں لگے گا۔

سوال۶: کیا قرآن امام علیہ السلام کی ولادت کی طرف اشارہ کرتا ہے؟

جواب: وہ قرآنی آیات کہ جن کو اس موضوع میں دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ان میں صراحتاً اور واضح الفاظ میں امام علیہ السلام کی ولادت کا ذکر نہیں ہے، ہاں البتہ بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا زمین کو عدل وانصاف سے پُر کرے گا، لیکن صراحتاً کوئی بھی آیت موجود نہیں ہے۔

سوال۷: کیا سنی حضرات امام الحجۃ علیہ السلام کی ولادت پر ایمان رکھتے ہیں، اگر وہ اس بات پہ ایمان رکھتے ہیں تو ان کا یہ ایمان امام علیہ السلام کی ولادت پہ دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، یا فقط مذہب حق کے نظریہ کی تائید ہے؟

جواب: اکثر علماء اہل سنت نے امام علیہ السلام کے وجود سے انکار کیا ہے، لیکن وہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام آخری زمانہ میں ظہور فرما کر اس زمین کو عدل وانصاف سے پُر کر دیں گے، اگر اہل سنت امام علیہ السلام کی ولادت پر ایمان رکھتے ہوتے تو ہمیں اس جلسہ میں جمع ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ (تفصیلی جواب کے لیے اس کتاب کے صفحہ ۱۲۱تا۱۲۹کا مطالعہ کریں۔ مترجم)

سوال۸ : حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ''

یعنی جو بھی اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا

اس حدیث کی رو سے جو شخص امام علیہ السلام کے وجود کا انکار کرے کیا اس پر کفر کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟

جواب: وہ شخص مذہب شیعہ اثنا عشریہ سے خارج ہے، جیسا کہ گزشتہ جوابات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔

سوال۹ : کیا اس زمانہ میں امام علیہ السلام کے بعض وکلاء یا ان کے سفیر موجود ہیں؟

جواب: جب ہم جانتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے چوتھے سفیر خاص کی وفات کے بعد نیابت خاصہ کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا تو اس کے بعد یہ سوال کرنا لغو اور فضول ہے البتہ نیابتِ عامہ اپنے مشہور معنی کے اعتبار سے علماء اور مراجعین کرام و مجتہدین عظام کے درمیان باقی ہے۔

سوال ۱۰: کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سنی حضرات کی طرف سے کیے گئے اعتراضات اور شبہات امام علیہ السلام کی ولادت یا عدم ولادت کے بارے نہیں ہیں، بلکہ امام علیہ السلام کی غیبت میں موجودگی کے درست ہونے یا نہ ہونے کے بارے ہیں جیسا کہ یہ بات کتاب " منھاج السنہ " اور دوسری کتابوں سے واضح ہے ؟

جواب: یہاں ان دونوں شبہات میں فرق ہے کیونکہ ان کے نزدیک کچھ شبہات اور اعتراضات اس طرح سے ہیں کہ کوئی شخص اتنی مدت تک کیسے زندہ رہ سکتا ہے اور یہ شبہ پہلے شبہ سے مختلف ہے اور ہمای بحث ان جلسات میں پہلے شبہ سے متعلق ہے، باقی رہا یہ کہ کوئی اتنے عرصہ تک کیسے باقی رہ سکتا ہے، پس تو شیطان حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوا اور ابھی تک موجود ہے، کیا وہ اللہ جو شیطان کو اتنے عرصے تک زندہ رکھنے پر قادر ہے کیا وہ اس امام کو جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے، ان کو زندہ نہیں رکھ سکتا؟

سوال ۱۱: کیا امام الحجۃ عجل اللہ فرجہ کے ظہور کی بڑی بڑی علامات ظاہر ہو چکیں ہیں اور کیا یہ زمانہ امام علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ ہے ؟

جواب: علماء نے امام علیہ السلام کے ظہور کی علامات کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے، پہلی قسم حتمی علامات ہیں اور دوسری قسم غیر حتمی علامات ہیں۔ حتمی علامات کے ظاہر ہونے کے بعد امام علیہ السلام اس ظاہری دنیا میں حتماً تشریف لائیں گے، لیکن غیر حتمی علامات کے ظاہر ہونے کے بعد ضروری نہیں کہ امام علیہ السلام کا ظہور ہو، اور تقریباً سبھی غیر حتمی علامات ظاہر ہو چکی ہیں البتہ جو حتمی علامات ہیں ان میں سے اب تک کوئی بھی ظاہر نہیں ہوئی اور یہ کہ امام علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ کون سا ہو گا اس بارے میں معصوم فرماتے ہیں " کذّب الوقاتون یعنی جو امام کے ظہور کے وقت کی تعیین کرے اس کو جھٹلایا جائے " (1)

سوال۱۲: امام مہدی عجل اللہ فرجہ کے بارے میں کیوں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے فقط اکلوتے بیٹے ہی ہیں، کیا یہ ممکن نہیں کہ آخری زمانے میں ایک شخص پیدا ہو جس کا سلسلہ نسب امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ ملتا ہو؟

جواب: ایسا ہونا عقلاً ممکن تو تھا لیکن خدا نے ایسا نہیں کیا، طرفِ امکان تو ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، یعنی امام مہدی علیہ السلام امام حسن عسکری علیہ السلام کے ہی اکلوتے بیٹے ہیں جو ۲۵۵ ھجری سے لے کر اب تک موجود ہیں۔

سوال۱۳: کیا غیبت کبریٰ کے زمانے میں امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کرنا ممکن ہے، اور کیا کسی نے غیبت کبریٰ میں ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے یا نہیں، خاص طور پر اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ روایات میں موجود ہے کہ جو شخص بھی ان کی زیارت کا دعویٰ کرے اس کو جھوٹا سمجھا جائے؟

جواب: اس مقام پر بہت سے افراد کو یہ اشتباہ ہوا ہے کیونکہ جس روایت میں امام علیہ السلام کی زیارت کے دعویدار کو جھٹلانے کا حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں امام علیہ السلام سے ملا ہوں اور میں ان کا نمائندہ یا ان کا سفیر یا ان کا ایلچی ہوں تو اس موقع پر ثابت ہے کہ اس شخص کو جھٹلایا جائے، اور اس شخص کو جھٹلانے کا حکم خود امام علیہ السلام نے دیا ہے، ہاں البتہ کسی بھی شخص کو امام علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہو سکتا ہے، یہ چیز قطعاً ممکن ہے اور جس شخص کو یہ شرف حاصل ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو بتاتا پھرے۔

والحمدللہ رب العالمین

---

(۱)۔ کتاب الغیبۃ مصنف نعمانی حدیث نمبر ۶ . ۱۱ . ۱۳ اور الامت والتبصرہ حدیث نمبر 81

دوسری نشست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ افضل الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد وآلہ الطیّبین الطاہرین المعصومین واللعنۃ الدائمۃ علیٰ اعدائہم الیٰ قیام یوم الدین

یاصاحب الزمان ادرکنی عجّل اللہ فرجہ

جیسا کہ ہم نے پہلے جلسے میں ذکر کیا تھا کہ یہ بدبختیٔ زمانہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہمیں اس قسم کے جلسات منعقد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ جن میں ہم اُس امام المنتظر عجّل اللہ فرجہ کی ولادت کو ثابت کریں جس کی بشارت اور خوشخبری گزشتہ انبیاء علیہم السلام، رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام نے دی۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں ان کے بارے میں اس طرح سے وعدہ فرمایا ہے۔۔۔ لیظہرہ علی الدین کلہ۔۔۔ اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ابھی تک پورا نہیں ہوا اور اس وعدہ کا پورا ہونا لازمی اور ضروری ہے کیونکہ اس وعدے کی اللہ تعالیٰ نے خود خبر دی ہے اور اس کے علاوہ شیعہ و سنی دونوں طرف سے بہت ساری روایات موجود ہیں کہ جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے کی اولاد سے مہدی علیہ السلام آئیں گے یا بعض روایات میں ہے کہ میرے بیٹے امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے وہ ہوں گے اور وہ زمین کے ظلم و ستم سے بھر جانے کے بعد اسے عدل و انصاف سے پُر کر دیں گے۔

یہ جو اعتراضات اور مختلف قسم کی باتیں اہل بیت علیہم السلام اور امام زمانہ علیہ السلام کے دشمن کرتے رہتے ہیں اس کی شاید وجہ یہ ہے کہ یا تو وہ ان باتوں کے ذریعے چاہتے ہیں کہ شیعہ حضرات امام علیہ السلام سے دور ہو جائیں اور ان کا امام زمانہ علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ ختم ہو جائے لیکن خداوندِ عالم حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنا چاہتا ہے خواہ کافر اور مجرمین اس کو پسند نہ بھی کریں، یا پھر وہ ان اعتراضات سے یہ چاہتے اور سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ سے وہ امام علیہ السلام کے رہنے کی جگہ اور ان کی شخصیت سے آگاہی حاصل کر لیں گے تاکہ بعد میں ان کو شہید کیا جا سکے، لیکن یہ دونوں باتیں ان کے ضعیف عقیدے اور ضعیف خیال کی دلیلیں ہیں اور امام علیہ السلام، امامت، علمِ امام علیہ السلام اور حقیقتِ امام علیہ السلام سے ناآگاہی کا نتیجہ ہیں، لیکن وہ کبھی بھی اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ جن کا پورا ہونا ناممکن ہے۔

اعتراضات اور شبہات پر ایک نظر:

بہر حال سابقہ جلسہ میں جن بعض تمہیدی باتوں کو ذکر کیا تھا ان کو تمام گفتگو میں مدِ نظر رکھنا ضروری ہے، اور آج ہم بعض اعتراضات اور گمراہ کن دعوؤں کو ذکر کریں گے کہ جن دعوؤں کے کرنے والے احسان الٰہی، ابن تیمیہ اور ان

دونوں کے علاوہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان دونوں کے کلمات سے استفادہ کیا ہے۔

اہلِ نسب:

احسان الٰہی اپنی کتاب "الشیعہ والتشیع" اور ابن تیمیہ اپنی کتاب "منہاج السنہ" میں اس بات پر زور دیتے ہوئے مُصر ہیں کہ اہلِ نسب نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد ہونے کی نفی کی ہے، لیکن جب ہم ان دونوں آدمیوں کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سے علماء اہلِ نسب ہیں جنھوں نے امام المنتظر عجل اللہ فرجہ کی ولادت سے انکار کیا ہے تو دونوں ہی یہ کہتے ہیں اکثر علماء نسب امام علیہ السلام کی ولادت سے انکار کرتے ہیں لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی اِن علماءِ نسب کے اسماء کو ذکر نہیں کیا ہے۔

قبل اس کے ہم اس بارے میں اپنی گفتگو کو جاری رکھیں اس بات کو مدِ نظر رکھنا ہو گا جیسا کہ ہم یہی بات گزشتہ جلسہ میں بھی کہہ چکے ہیں کہ کسی چیز کا نہ ملنا اس کی غیر موجودگی پر دلالت نہیں کرتا اگرچہ علمائے نسب میں سے ایک بھی ایسا شخص ثابت ہو جائے جس نے امام المنتظر عجّل اللہ فرجہ کا انکار کیا ہے تو پھر بھی اس کے ترکش سے اس سے زیادہ نہیں ملے گا کہ وہ کہے مجھے ان کی اولاد نہیں مل سکی، وہ یہ نہیں ثابت کر سکتا کہ ان کی اولاد ہے ہی نہیں کیونکہ کسی چیز کا نہ ملنا اس کی عدم موجودگی پر دلالت نہیں کرتا، ان دونوں اشخاص ابن تیمیہ اور احسان الٰہی کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے بعد فقط ہم ایک شخص کا نام پائیں گے، جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور وہ شخص النوبختی ہے جس نے کتاب "فرق الشیعہ" لکھی اس کا پورا نام ابو محمد الحسن بن موسیٰ النوبختی ہے اور بقول احسان الٰہی ظہیر کے اس کا تعلق چوتھی صدی کے علماء میں سے ہے اور یہی بات احسان الٰہی نے اپنی کتاب "الشیعہ والتشیع" میں لکھی ہے یعنی یہ شخص امام الحجہ علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً ایک سو چالیس سال بعد پیدا ہوا، کس قدر دھوکہ اور رسوائی کی بات ہے کہ ابن تیمیہ اور احسان الٰہی ظہیر النوبختی کو عالمِ نسب کے لقب سے نوازتے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ یہ النوبختی اور اس طرح کے دوسرے اہلِ نسب اپنی اطلاع کے مطابق نسب تو لکھ دیتے ہیں لیکن اس کی سند اور ثبوت نہیں لکھتے ان اہلِ نسب کی کتابیں آپ کے ہاتھوں میں ہیں لیکن ان میں ثبوت موجود نہیں کیونکہ وہ ثبوت اور سند تحریر نہیں کرتے، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں وہ خود ہی بہتر جانتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ احسان الٰہی نے خود ہی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس شخص کا تعلق چوتھی صدی سے ہے، یعنی امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کے بعد ایک سو چالیس سال سے بھی زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد یہ شخص خود وجود کی دنیا

میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد کا وجود نہیں پا سکا جیسا کہ خود احسان الٰہی اسی بات کا دعویٰ کرتا ہے۔

"یہ بات واضح رہے کہ النوبختی نے ایسی کوئی بات نہیں کہی بلکہ یہ تو فقط احسان الٰہی نے اس کی طرف جھوٹی نسبت دے کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، اور یہ بات اس وقت واضح ہو جائے گی جب ہم النوبختی کی عبارات اور کلمات کو پڑھیں گے"

پس احسان الٰہی کہتا ہے کہ النوبختی کا تعلق چوتھی صدی ہجری کے علمائے نسب سے ہے اور وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔

دو اہم باتیں

اوّل: یہ شخص احسان الٰہی کے اعتراف کے مطابق امام الحجہ عجل اللہ فرجہ کی ولادت کے تقریباً سو سے بھی زیادہ سال بعد پیدا ہوا۔

دوم: بقول احسان الٰہی اس شخص نے اپنے دعوے کی دلیل اور سند نہیں ذکر کی۔

پس جب اس نے سند کو ذکر نہیں کیا تو اس نے کیسے یہ دعویٰ کر لیا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی، کیا اس پر وحی نازل ہوئی یا اس نے یہ چیز خواب میں دیکھی؟

احسان الٰہی کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان تمام چیزوں سے جاہل ہے حتیٰ کہ اس کو علمائے نسب کا بھی علم نہیں کیونکہ جس شخص کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ وہ چوتھی صدی سے تعلق رکھتا ہے اس کا تعلق اصلاً تیسری صدی سے ہے، پس وہ صدیوں کے چکر میں پھنس گیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ کوئی اپنے ہی کلہاڑے سے اپنا سر پھاڑ ڈالے، وہ چوتھی صدی کے کسی آدمی کی سند پیش کرنا چاہتا تھا لیکن وہ تیسری صدی کا نکلا، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

* لو آپ اپنے ہی دام میں صیاد آ گیا

اور یہ بات بڑی عجیب ہے کہ اسی طرح سے اکثر دشمنانِ اہل بیت علیہم السلام پاگل ہوا کرتے ہیں، بہر حال النوبختی وہ شخص ہے کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے بے اولاد ہونے پہ زور دیا ہے اور درج ذیل اس کی وہ عبارت ہے جس سے یہ ناصبی شخص (احسان الٰہی) امام حسن عسکری علیہ السلام کا بے اولاد ہونا ثابت کرتا ہے:۔

"ولد الحسن بن علی علیہ السلام فی شھر ربیع الاخر سنۃ ۲۳۲ھ وتوفی فی سر من رآی (سامراء) یوم الجمعۃ لثمان لیال خلون

من شهر ربیع الاول سنۃ ۲۶۰ھ ودفن فی دارہ فی البیت الذی دفن فیہ ابوہ علیہ السلام وھو ای امام الحسن عسکری علیہ السلام ۔ ابن ۲۸ سنۃ صلی علیہ ابو عیسیٰ بن المتوکل وکانت امامتہ خمس سنوات وثمانیہ اشھر وخمسۃ ایام وتوفی ولم یر لہ اثر، ولم یعرف لہ ولد ظاھر"

(کتاب فرق الشیعہ صفحہ ۱۰۵)

ترجمہ: "امام حسن بن علی علیہ السلام ربیع الثانی ۲۳۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور سامرہ میں جمعہ کے دن ۸ ربیع الاول ۲۶۰ ہجری میں وفات پائی اور اپنے ہی گھر میں جہاں ان کے والد علیہ السلام دفن تھے دفن ہوئے ان کی عمر ۲۸ سال تھی اور ان کی نماز جنازہ ابو عیسیٰ بن المتوکل نے پڑھائی ان کی امامت کو پانچ سال آٹھ مہینے اور پانچ دن کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ وہ فوت ہو گئے اور اُن کی اولاد کو نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی ان کا کوئی ظاہر بیٹا معروف ہے"

یعنی اس نے یہ نہیں کہا کہ ان کا کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے یہ کہا کہ ان کی اولاد کو نہیں دیکھا گیا، اب احسان الٰہی کو آنکھیں کھول کر یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ لم یر لہ اثر یعنی ان کی اولاد کو نہیں دیکھا گیا اس نے یہ نہیں کہا کہ لم یلد ولم یولد اثر یعنی ان کا کوئی بیٹا پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ ہی ان کی کوئی اولاد پیدا ہوئی ہے، بلکہ وہ کہتا ہے کہ ان کی اولاد کو نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی ان کے بیٹے کے بارے میں کوئی جانتا ہے، وہ کہتا ہے کہ لم یعرف لہ ولد ظاھر یعنی ان کا ظاہراً بیٹا معروف نہیں۔

یہ وہ عبارت ہے اور یہ وہ شخص ہے کہ جس کا ذکر ان دونوں حضرات ابن تیمیہ اور احسان الٰہی نے کیا اور کہا یہ وہ عالم نسب ہے جو امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد نہ ہونے پر تاکید کرتا ہے، اور یہ اس کی وہ عبارت تھی کہ جس میں وہ کہتا ہے کہ لم یعرف لہ ولد ظاھر یعنی ان کا بیٹا ظاہراً معروف نہیں ہے، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ان کا بیٹا ظاہر نہیں ہے پس اب ہم اور آپ سنی حضرات سب مل کر کہتے ہیں کہ ان کا کوئی بھی بیٹا ظاہر نہیں ہے جو معروف ہو۔

میراث کی تقسیم

احسان الٰہی کہتا ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی میراث ان کے بھائی اور ان کی والدہ کے درمیان تقسیم ہوئی اور یہ بات امام حسن عسکری علیہ السلام کے بے اولاد ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر ان کا کوئی بیٹا ہوتا تو میراث اس کو ضرور ملتی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ تقسیم ہی مذہبِ جعفریہ کے قانونِ وراثت کے خلاف ہے کیونکہ جب تک والدہ موجود ہو بھائی میراث نہیں لے سکتا، اور احسان الٰہی کہتا ہے کہ جو میراث بھی ظاہراً موجود تھی اسے ان کے بھائی نے تقسیم کر لیا، اس

کامطلب ہے کہ وہاں کچھ ایسا بھی ترکہ تھا جو ظاہراً موجود نہ تھا اور نہ ہی کوئی جان سکا کہ یہ ترکہ کہاں گیا امام حسن عسکری علیہ السلام کی والدہ ام ولد تھیں، اور کنیز جب تک آزاد نہ ہو اس وقت تک اسے میراث نہیں مل سکتی، اور یہاں امام حسن عسکری علیہ السلام کی والدہ اپنے بیٹے کی وجہ سے آزاد تھیں پس جتنی بھی میراث ہو وہ ساری ان کی ہو گی جعفر کو حصہ نہیں ملے گا۔

اور اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے وصیّت کی تھی کہ جو مال بھی وراثت میں ظاہر ہو وہ ان کی والدہ کو دے دیا جائے تا کہ وہ اپنی زندگی کے بقیہ ایام اس کے ذریعے گزار سکیں۔

احسان الٰہی کہتا ہے کہ ان حالات میں شیعہ حیران و پریشان ہو کر بکھر گئے اور ہر ایک نے اپنی رائے قائم کی پھر اس کے بعد احسان الٰہی ان آراء اور نظریات کو بیان کرتا ہے جو شیعوں کے درمیان اس وقت قائم ہوئے، اور کہتا ہے کہ تیرہ یا چودہ فرقے ان آراء اور نظریات کی وجہ سے وجود میں آگئے۔

یہ تو وہ باتیں تھیں جن کو احسان الٰہی نے ذکر کیا اب دیکھتے ہیں کہ فرقہ شیعہ اثنا عشری کے بارے میں یہ النوبختی کیا کہتا ہے کہ جو عالمِ نسب بھی ہے اور جس کے بارے میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسی نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے بے اولاد ہونے پر بہت زور دیا ہے پس تو نوبختی کہتا ہے:۔

"قالت الفرقۃ الثانیۃ عشرۃ وھم الامامیۃ لیس القول کما قالت ھؤلاء کلھم۔ الفرق الاُخریٰ۔ بل للہ عزّ وجلّ فی الارض حجۃ من ولد الحسن بن علی علیہ السلام وامر اللہ تعالٰی بالغ وھو وصی لابیہ، علی المنھاج الاوّل والسنن الماضیۃ ولا تکون الامامۃ فی اخوین بعد الحسن والحسین علیھما السلام ولا یجوز ذلک، ولا تکون الاّ فی عقب الحسن بن علی علیہ السلام الی ان ینقضی الخلق، متّصلا ذلک ما اتّصلت امور اللہ سبحانہ وتعالٰی ولو کان فی الارض رجلان لکان احدھما الحجۃ ولو مات احدھما لکان الاخر الحجۃ مادام امر اللہ ونھیہ قائمین فی خلقہ ولا یجوز ان تکون الامامۃ فی عقب من لم تثبت لہ امامۃ (یقصد جعفر) ولم تلتزم العباد بہ حجۃ ممن مات فی حیات ابیہ ای ممن قال بامامۃ من توفی قبل الامام الحسن علیہ السلام ولا فی ولدہ ولو جاز ذلک صالح قول اصحاب اسماعیل ابن جعفر الصادق علیہ السلام ومذھبھم ولثبتت امامۃ محمد ابن جعفر علیہ السلام اذن وکان من قال بھا محقا بعد مضی جعفر ابن محمد علیہ السلام"

(کتاب فرق الشیعہ صفحہ ۱۱۶)

ترجمہ: "فرقہ اثناعشریہ جو کہ حقیقی شیعہ امامیہ ہے اس نے کہا ہے کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو باقی تمام فرقے کہتے ہیں بلکہ حضرت حسن بن علی علیہ السلام کے بیٹے ہی زمین پر اللہ کی حجت ہیں اور اللہ کا یہ امر پہنچ چکا ہے کہ گزشتہ طریقہ کار کے مطابق اور سابقہ سنت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہی اپنے والد کے جانشین ہیں اور وہ طریقہ کار یہ ہے کہ امام حسن وحسین

علیہما السلام کے بعد عہدۂ امامت دو بھائیوں میں نہیں ہو گا اور نہ ہی یہ درست ہے پس جب تک یہ دنیا باقی ہے اس وقت تک امامت کا عہدہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند کے پاس رہے گا

اگر زمین پر فقط دو آدمی ہی رہ جائیں تب بھی ان میں سے ایک اللہ کی حجت ہو گا اور اگر ان میں سے ایک مر جائے تو دوسرا زمین پہ باقی رہنے والا اس وقت تک اللہ کی حجت ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور نہی اس کی مخلوق میں موجود ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق پر حلال، حرام اور واجب وغیرہ کے قوانین نافذ ہیں وہی اللہ تعالیٰ کی حجت رہیں گے، اور اس کی اولاد امام نہیں ہو سکتی جس کے لیے خود امامت ثابت نہ ہو (اس بات کا جعفر کی طرف اشارہ ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے کہ جو کہے کہ امام علیہ السلام بعد میں پیدا ہو گا) اور جو اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو جائے وہ لوگوں کے لیے حجت نہیں بن سکتا یعنی جو امام حسن عسکری علیہ السلام سے پہلے انتقال کر گیا اور وہ امام نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی اولاد سے کوئی امام ہو گا، خبردار وگرنہ اسماعیل بن جعفر علیہ السلام کے بارے میں قائم شدہ نظریہ اور مذہب درست ہو گا اور اسی طرح محمد بن جعفر علیہ السلام کی امامت بھی ثابت ہو جائے گی، اور یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ جس نے بھی امام جعفر علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس کو امام مانا وہ حق پر تھا" (جو کہ صراحتاً رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہے)

اب وہ النوبختی کہ جس کے بارے میں احسان الٰہی اور ابن تیمیہ کہتے ہیں، وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے بے اولاد ہونے کا قائل ہے وہ یہ کہتا ہے:

"وھذا الذی ذکرناہ ھو المأثور عن الصادقین، الذی لا تدافع لہ بین ھذہ العصابۃ ولا شک فیہ لصحۃ مخرجہ وقوۃ أسبابہ وجودۃ أسنادہ ولا یجوز ان تخلو الارض من حجۃ ولو خلت من ساعۃ لساخت الارض ومن علیھا، ولا یجوز شئ من مقالات ھذہ الفرق کلھا فنحن مستسلمون بالماضی، وامامتہ، مقرون بوفاتہ۔ وھذا ثابت ومعترفون بأن لہ خلفاً قائماً من صلبہ وان خلفہ وھو الامام من بعدہ حتی یظھر ویعلن امرہ ما ظھر وعلن امر من مضی من أباءہ ویأذن اللہ بذلک، اذ الامر للہ تعالی یفعل ما یشاء ویأمر بما یرید من ظھورہ وخفاءہ۔ کما کان امیر المؤمنین علیہ السلام یقول: اللھم انک لا تخلی الارض من حجۃ لک علی الخلق ظاھراً معروفاً او خائفاً مستوراً او مغموراً کی لا تبطل حجتک وبیناتک۔ وبذلک امرنا جاءت الاخبار الصحیحۃ عن الائمۃ علیھم السلام الماضین، لأنہ لیس للعباد ان یبحثوا عن امور اللہ تعالی ویقضوا بلا علم لھم ویطلبوا آثار ما ستر عنھم، ولا یجوز ذکر اسمہ ولا السؤال عن مکانہ حتی یأمر بذلک وھو علیہ السلام اذ ھو علیہ السلام خائف مغمور مستور بستر اللہ سبحانہ ولیس علینا البحث عن امرہ بل البحث عن ذلک وطلبہ محرم ولا یحل ولا یجوز لأن فی اظھار ما ستر عنا وکشفہ اباحۃ دمہ ودمائنا فی ستر ذلک والسکوت عنہ حقنھما وصیانتھما ولا یجوز لنا ولا لأحد ان یختار أماماً برأی واختیار۔۔۔۔۔۔ الی آخرہ"

(کتاب فرق الشیعہ صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۷)

ترجمہ: "یہ وہ گفتگو تھی جو میں نے سچے اور خالص لوگوں سے نقل کی ہے ان بکھرے ہوئے گروہوں اور فرقوں میں سے کوئی بھی نہ تو اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے رد کر سکتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ اس گزشتہ گفتگو کا مصدر صحیح ہے اور اس کے تمام واسطے اور راوی مضبوط اور قابل اعتماد ہیں اور اس کی سند بالکل درست ہے پس زمین کا حجتِ خدا سے خالی رہنا ناممکن ہے اگر زمین ایک لمحہ کے لیے بھی حجتِ خدا سے خالی ہو جائے تو زمین اور ہر وہ چیز جو اس زمین میں ہے وہ تباہ و برباد ہو جائے گی، نیست و نابود ہو جائے گی۔

اور باقی فرقے جو کچھ بھی کہتے ہیں ان کی کوئی بات بھی درست نہیں ہے، پس ہم امام حسن عسکری علیہ السلام اور ان سے پہلے آئمہ علیہم السلام کی امامت کا اقرار کرتے ہیں اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو کہ ثابت شدہ ہے اور ہم اعتراف کرتے ہیں ان کا ہی بیٹا ان کا جانشین ہے اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد وہی امام ہے ایک دن وہ ظاہر ہو کر اپنی حکومت کا اعلان کریں گے، اور ہر اس چیز کا اعلان کریں گے جس کا اعلان ان کے اُباء اجداد نے کیا تھا اور ان تمام کاموں کی اللہ ان کو اجازت دے گا، یہ امر (یعنی ظہور امام علیہ السلام) اللہ کے پاس ہے جیسا وہ چاہتا ہے وہ کرتا ہے اپنی حجت کے ظاہر ہونے یا مخفی رہنے کے بارے میں جیسا وہ چاہے گا حکم دے گا جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام اپنی دعا میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ اس زمین کو اپنی مخلوق پر حجت سے خالی نہ چھوڑنا، خواہ یہ حجت ظاہر اور معروف ہو یا خواہ مصیبتوں میں گھری ہوئی ہو، تا کہ تیری نشانیاں اور تیری حجت باطل نہ ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ آئمہ علیہم السلام سے ہم تک جو روایات پہنچی ہیں ان میں ہمیں انہی کی امامت کے بارے میں حکم ملتا ہے کیونکہ لوگوں کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ اللہ کے امور میں بحث کرتے پھریں اور جس چیز کا انہیں علم نہیں اس کے بارے میں بحث کرتے پھریں اور اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ جو چیزیں اللہ نے ان سے پوشیدہ رکھی ہیں ان کو تلاش کریں، پس امام المنتظر علیہ السلام کا نام لینا اور ان کی رہائش کے بارے میں سوال کرنا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ امام علیہ السلام خود اس چیز کا حکم دیں امام علیہ السلام اس انتہائی مصیبت کی حالت میں اللہ کے حکم سے پوشیدہ ہیں ہماری یہ ذمہ داری نہیں کہ ہم ان کو تلاش کریں بلکہ ان کی تلاش اور کھوج میں پڑنا حرام ہے جس چیز کو اللہ نے ہم سے چھپایا ہے اس کا ظاہر کرنا یا جو دشمنوں کے شر سے مخفی ہو اس کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے امام علیہ السلام کے بارے معلومات کو چھپانا اور کسی کو نہ بتانا ہی ہمارے اور ان کے حق میں بہتر ہے اور کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی مرضی اور رائے سے کسی کو امام بنائے....... تا آخر"

میرے محترم برادران یہ تھا نوبختی کا مذہب اور عقیدہ جو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اور اسی نوبختی کے بارے میں احسان الٰہی

اور ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہی النوبختی ہی وہ عالم نسب ہے جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے بے اولاد ہونے پر زور دیتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نوبختی خود امام الحجۃ علیہ السلام کی امامت کا قائل ہے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح سے یہ دشمنانِ اہل بیت علیہم السلام فریب اور دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء نسب امام حسن عسکری علیہ السلام کے دنیا سے بے اولاد جانے کی تاکید کرتے ہیں اور دلیل میں نوبختی کی کتاب سے چند سطریں اٹھا لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نوبختی ان علماء نسب میں سب سے اہم عالم ہے جو ان کے بے اولاد ہونے کا قائل ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نوبختی اس بات پہ زور دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا ایک بیٹا ہے اور وہی امام المنتظر علیہ السلام ہیں۔

تاریخ ولادت میں اختلاف

اعتراض کیا جاتا ہے کہ چونکہ امام المنتظر علیہ السلام کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، لہٰذا ان کی ولادت ہوئی ہی نہیں اگر ان کی ولادت ہوئی ہوتی تو تاریخ ولادت میں اختلاف نہ ہوتا یہ ایک عجیب اور بے ڈھنگا اعتراض ہے جس کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف ہو وہ معدوم ہوتا ہے تو کیا مسلمانوں کے درمیان رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت کے بارے میں اختلاف موجود نہیں ہے تو کیا نعوذ باللہ ان کا وجود نہیں ہے کیا قرآن اس بات کا گواہ نہیں ہے کہ لوگوں میں اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے تاریخ میں نہیں بلکہ ان کی ذات میں سیقولون ثلاثۃ رابعھم کلبھم (سورہ کہف آیت ۲۲)

تو کیا اصحاب کہف کا وجود نہیں ہے ؟

جعفر کا انکار

امام علیہ السلام کی عدم موجودگی پر ایک دلیل یہ بھی دی جارہی ہے کہ اگر امام حسن عسکری علیہ السلام کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کا امام علیہ السلام کے بھائی جعفر کو ضرور پتہ ہوتا، کیونکہ وہی امام علیہ السلام کا سب سے زیادہ قریبی تھا، لیکن انھوں نے اس بات سے انکار کیا اور امامت کا دعویٰ کردیا ہم احسان الٰہی سے کہیں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب کا ان کی رسالت سے انکار کرنا عدم نبوت نبی محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دلیل بن سکتا ہے ؟ اگر نہیں تو پھر یہاں کیسے جعفر کا انکار دلیل بن گیا، اور اگر دلیل بن سکتا ہے تو پھر کیوں قحافہ کا اپنے بیٹے کی خلافت سے انکار اس کے خلیفہ نہ ہونے پر دلیل شمار نہیں ہوتا۔ خلیفہ اول نے اپنے والد کی طرف ایک شخص کو بھیجا کہ لوگوں نے میری بیعت

کرلی ہے کہ میں ہی نبی کریم صلّی اللہ علیہ والہ وسلم کا خلیفہ ہوں تو ان کے والد نے کہا تمہارے کلام میں تضاد ہے ایک طرف تو تم یہ کہتے ہو کہ میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور دوسری طرف یہ کہتے ہو کہ لوگوں نے مجھ کو خلیفہ چنا ہے تو ایک ایسے کام کے لیے نکلا ہے جس کا تو اہل نہیں لوگوں نے کیسے تم کو چن لیا جبکہ ان کے درمیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام موجود تھے تو اس کے جواب میں خلیفہ اول نے کہا اس لیے کہ میں عمر میں سب سے بڑا ہوں، پھر ان کے والد نے کہا پھر تو میں تمہارا بھی باپ ہوں اور تم سے عمر میں بڑا ہوں اگر خلافت کا معیار عمر میں بڑا ہونا ہے تو سلمان فارسیؓ سب سے بڑے ہیں۔ (کتاب احتجاج الطبرسی ج ا ص ۱۱۵)

اگر جعفر کا امام علیہ السلام کی ولادت سے انکار دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو قحافہ کا انکار بھی عدم خلافت پہ واضح دلیل ہے۔

والدہ کے نام میں اختلاف

امام مہدی علیہ السلام کی ولادت نہ ہونے پہ ایک دلیل امام علیہ السلام کی والدہ کے نام میں اختلاف کو پیش کیا جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ اگر اسماء کا اختلاف یا اسماء کا زیادہ ہونا عدم پر دلالت کرتا ہے تو اللہ تعالی کے ننانوے (۹۹) نام ہیں بنابر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ سب اسماء توقیفیہ ہیں وگرنہ اللہ کے ناموں کا شمار نہیں ہو سکتا جیسا کہ دعاء جوشن کبیر میں ذکر ہوا ہے تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ۔۔۔ نعوذ باللہ۔۔ اللہ کا وجود ہی نہیں؟

یہ زمانہ کی بدبختی ہے کہ وہ اس قسم کے افراد کو علماء اور مسلمانوں کا محقق شمار کرتا ہے جو اس قسم کے کھوکھلے اعتراضات کرتے ہیں، وہ یہ نہیں کہتے کہ امام علیہ السلام کی والدہ کے بہت سارے اسماء ہیں، بلکہ وہ اس کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام کی والدہ کے اسماء میں اختلاف ہے پس کسی جگہ کہا گیا ہے کہ ان کا فلاں نام ہے، اور کسی جگہ فلاں نام کہا گیا ہے اس وجہ سے ان کے نام میں اختلاف ہے، شاید احسان الٰہی اور ابن تیمیہ یہ بھول گئے ہیں کہ وہاں ایک روایت موجود ہے جس میں صراحتاً امام علیہ السلام کی والدہ کے اسماء کا متعدد ہونا مذکور ہے، اور یہ اسماء مختلف اعتبارات کی وجہ سے متعدد ہیں ان کے نام میں اختلاف نہیں ہے بلکہ ان کے بہت سے اسماء ہیں جیسا کہ جناب سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا اور حضرت عائشہ کے بہت سے اسماء ہیں۔

(میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۴۳، کتاب تاریخ الکبیر بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۰۴)

اسماء کا متعدد ہونا ان کے عدمِ وجود کا تقاضا نہیں کرتا خصوصاً وہ شخص کہ جو تاریخ میں معمولی سی بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہے، وہ

جانتا ہے کہ اکثر کنیزوں کے بہت سارے نام ہوا کرتے تھے اور امام المنتظر علیہ السلام کی والدہ امّ ولد ہیں، اور اسی طرح امام حسن عسکری علیہ السلام کی والدہ بھی ام ولد ہیں کنیزوں کے متعدد نام ہونے کی مختلف وجوہات ہو سکتیں ہیں، اور ہر کنیز کے اپنے حساب سے مختلف نام ہوا کرتے تھے یا تو یہ اسماء اس کی عفت کی وجہ سے یا اس کے جمال کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی بھی وجہ سے ہوا کرتے تھے، اور بعض اوقات کنیز کے متعدد اسماء اس وقت بھی ہو جاتے ہیں جب وہ مختلف واسطوں کے ذریعے ملکیت میں آئے اور ویسے بھی مستحب ہے جب انسان کسی کنیز وغیرہ کو خریدے تو وہ اس کا نام تبدیل کرے اور شاید یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ امام علیہ السلام کی والدہ کے متعدد اسماء ہیں کیونکہ وہ پہلے ایک عیسائی ملک میں تھیں ظاہر ہے وہاں ان کا ایک نام تھا پھر راستے میں ایک جدید نام رکھ دیا گیا پھر اس کے بعد امام علیہ السلام نے خود ان کا نام رکھا اور اسماء کے متعدد ہونے کی اس کے علاوہ بھی کچھ وجوہات ہیں جو روایات میں ذکر ہوئی ہیں۔

(اکمال الدین اور اتمام النعمہ ۴۳۲)

عدم ظہور

امام علیہ السلام کی عدم موجودگی پر ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ اگر امام علیہ السلام موجود ہیں تو ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر کیوں نہیں ہوتے، یہ بالکل وہی دلیل ہے جو ملحدین خدا کے وجود سے انکار میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر خدا کا وجود ہوتا تو ہم اسے اب تک دیکھ چکے ہوتے۔ سابقہ سویت یونین میں ایک شخص تھا وہ کہا کرتا تھا کہ ہمارے راکٹ چاند بلکہ چاند سے بھی آگے جا چکے ہیں لیکن ابھی تک ہمیں خدا نظر نہیں آیا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ قال فرعون یاھامان ابن لی صرحا لعلّی ابلغ الاسباب۔ (سورہ غافر: ۳۶)

امام علیہ السلام کا پوشیدہ ہونا

دشمنان امام زمانہ علیہ السلام اعتراض کرتے ہیں کہ اگر امام علیہ السلام موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ مخفی ہیں؟ تو ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو چھپا دیا؟ کیوں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو پوشیدہ رکھا، کیا نعوذ باللہ خدا پوشیدہ رکھے بغیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے محفوظ نہ رکھ سکتا تھا۔ یہ وہ بڑے بڑے اعتراضات تھے جس کی بنیاد نوبختی کی کتاب "فرق الشیعہ" کو قرار دینے کی کوشش کی گئی۔

امام علیہ السلام کی ولادت کا ثبوت

در اصل النوبختی شیعہ مذہب کے بڑے بڑے علماء میں سے تھا، جیسا کہ نجاشی نے اپنی کتاب "رجال النجاشی" میں اس کا ذکر کیا ہے، اور یہ شخص اپنے تقویٰ و دینداری اور عفت میں معروف تھا اور اس کا شمار اپنے وقت کے اہل علم اور اہل خبرہ میں ہوتا تھا لیکن ان لوگوں یعنی احسان الٰہی اور ابن تیمیہ وغیرہ نے خواہ مخواہ اس کے ساتھ چمٹنے کی کوشش کی ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے جلسہ میں کہہ چکے ہیں انسان کا نسب اس کے والد کے ساتھ فقط اس کے ملازمات کے ذریعے سے ثابت ہوتا ہے، اور وہ ملازمات یہ ہیں کہ ماں کہے کہ یہ بچہ فلاں کا بیٹا ہے یا باپ اعتراف کرے کہ یہ میرا بچہ ہے یا پھر بیٹا خود کہے کہ فلاں شخص میرا باپ ہے اور اس کے اعتراف کرنے میں اس کے لیے کوئی مانع بھی نہ ہو۔

اور اسی طرح بستر کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق علامتِ شرعیہ قرار دیا جاتا ہے، کہ "الولد للفراش" "یعنی بچہ اسی کا ہے کہ جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے"

(صحیح مسلم، جلد ۴، صفحہ ۱۷۱، صحیح بخاری، جلد ۳، صفحہ ۵، جلد ۵ صفحہ ۹۶ سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۴۶، جلد ۱)

البتہ اصلاً جو اثبات ہے وہ والد، بیٹے یا ماں کے اعتراف سے ہی ممکن ہے، باقی رہا بچے کے نسب کا اس کی ماں کی طرف ثابت کرنا تو یہ شہادت اور گواہی کے ذریعے ممکن ہے۔ مثال کے طور پر وہ خواتین یا دوسرا کوئی شخص جو بچے کی پیدائش کے وقت اس کی ماں کے پاس ہو اس کی گواہی ماں کی طرف نسب ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

پس وہاں بہت ساری روایات ہیں کہ جن میں جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا کی گواہی موجود ہے ان روایات میں وہ فرماتی ہیں کہ میں جناب الحجت عجل اللہ فرجہ الشریف کی ولادت کی وقت ان کی والدہ کے پاس موجود تھیں۔

(اکمال الدین و اتمام النعمہ صفحہ ۴۲۴، روضۃ الواعظین مصنف فتال نیشاپوری صفحہ ۲۵۶، دلائل الامامۃ لطبری صفحہ ۴۹۹)

بہت ساری روایات کا ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ جس میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے بارے میں شہادت موجود ہے اور وہ اس طرح سے کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت سے اپنے مخصوص شیعوں کو مشرف کیا اور فرمایا کہ میرے بعد یہی تمہارا امام علیہ السلام ہے اور یہی زمین کو عدل و انصاف سے پُر کرے گا۔

(الغیبۃ مصنف شیخ طوسی صفحہ ۳۵۷، اکمال الدین و اتمام النعمۃ صفحہ ۴۳۱، اس میں ہے کہ ھذا صاحبکم بعدی)

روایات کے دو گروہ تو یہ ہیں اور ایک تیسرا گروہ بھی ہے جس میں گزشتہ ائمہ علیہم السلام میں سے ہر ایک نے امام علیہ

السلام کی ولادت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی ولادت کی خبر دی ہے، مثلاً امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ میرے بعد نویں امام علیہ السلام ہوں گے یعنی انہوں نے عدد تک معیّن کر دیا، کتاب "اکمال الدین و اتمام النعمہ" میں بعض روایات امام رضا علیہ السلام سے، بعض امام صادق علیہ السلام سے اور بعض امام کاظم علیہ السلام سے منقول ہیں کہ جن میں انہوں نے امام علیہ السلام کی ولادت اور قیام کی خبر دی ہے اور یہ ساری کی ساری روایات امام الحجۃ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ولادت کو ثابت کرتی ہیں، پس ہمارے پاس تین قسم کی روایات ہیں۔

*۔۔۔پہلی قسم کی روایات وہ ہیں کہ جن میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا یہی میرا وہ بیٹا جو میرے بعد تمہارا امام ہو گا۔

*۔۔۔دوسری قسم کی روایات کا تعلق جنابِ حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا سے ہے جن میں ان کا اس واقعہ کی گواہی دینا مذکور ہے اور اس کے علاوہ اور دوسری خواتین کی گواہی کہ جنہوں نے امام علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں سن رکھا تھا وہ بھی اسی قسم کی روایات میں داخل ہیں۔

*۔۔۔تیسری قسم کی روایات وہ ہیں کہ جن میں آئمہ معصومین علیہم السلام نے خبر دی ہے کہ اتنے آئمہ علیہ السلام کے بعد امام المنتظر عجل اللہ فرجہ آئیں گے یا وہ فلاں امام علیہ السلام کے بیٹے ہوں گے۔

پس ثابت ہوا کہ یہ روایات متواترہ ہیں کیونکہ یہ روایات متعدد اور مختلف اشخاص سے نقل کی گئی ہیں، ان میں سے اکثر ایک دوسرے کو نہیں جانتے پس یہ تمام ایک مستقل سند کے تحت داخل ہوں گے، اور جو اخبار اور روایات آئمہ معصومین علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں، ان کو ہمارے عقیدے کے مطابق آئمہ معصومین علیہم السلام نے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے، کیونکہ وہی ہمارے حقیقی آئمہ، اولیاء اور معصومین علیہم السلام ہیں، پس جب کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امام المنتظر عجل اللہ فرجہ میرے فلاں بیٹے کے فلاں بیٹے سے ہوں گے تو امام رضا علیہ السلام اہل سنت کے عقیدے کے مطابق غائب کا علم تو نہیں رکھتے بس رسول اعظم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تسلسل کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ ان کے فلاں بیٹے سے امام الحجۃ علیہ السلام ہیں تو یہ روایات امام علیہ السلام کی ولادت پر سب سے بڑی شاہد اور دلیل ہیں۔

والحمدللہ رب العالمین

سوالات وجوابات

سوال ۱ : کیا یہ درست ہے کہ امام اپنی پیدائش ہی سے امام ہو تا ہے، لیکن اس کے لیے پہلے امام کی زندگی میں امورِ امامت کا سنبھالنا، ان میں دخل دینا اور امامت کا اعلان کرنا جائز نہیں ہے ؟

جواب: ہر امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سے پہلے امام کی اطاعت کرے اور امام سابق جس طرح باقی لوگوں کے لیے امام ہوتا ہے، اسی طرح اپنے امام بیٹے اور اس کے امام بیٹے کے لیے بھی امام ہوتا ہے مثلاً امیر المؤمنین علیہ السلام جیسے باقی تمام لوگوں کے لیے امام ہیں اسی طرح اپنے دونوں امام بیٹوں امام حسن و حسین علیہما السلام کے لیے بھی امام ہیں۔

سوال ۲ : رسول اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث ہے کہ میرے بعد میری امت میں بنی اسرائیل کے اسباط کی طرح بارہ امام ہوں گے۔(مسند احمد ج ۱ صفحہ ۳۹۸، مستدرک الحاکم ج ۴ صفحہ ۵۰۱، اور ان کے علاوہ بہت سی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے) کیا نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث احسان الہی ظہیر اور ابن تیمیہ وغیرہ کے نظریہ کے مقابلہ میں امام علیہ السلام کے وجود پر دلیل کے لیے کافی نہیں ہے ؟

جواب: یہ بات موردِ اشکال اور مقامِ تنازعہ نہیں ہے اشکال اور تنازع آئمہ علیہم السلام کی تعداد میں نہیں ہے بلکہ جھگڑا اس بات کا ہے کہ آیا بارہویں امام علیہ السلام کی ولادت ہو چکی ہے یا وہ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے پس اس حدیث کو ہم امام علیہ السلام کے وجود پر دلیل نہیں بنا سکتے۔

سوال ۳ :امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھائی جعفر جب یقینی طور پر جانتے تھے کہ امام حسن و حسین علیہما السلام کے بعد منصبِ امامت دو بھائیوں میں نہیں ہو گا تو پھر اس نے کیسے شیعوں کو اپنی امامت پر مطمئن کر لیا جبکہ شیعہ بھی اس بات کو جانتے تھے (اب اس حال میں) وہ امام المنتظر علیہ السلام کی غیر موجودگی پر زور نہ بھی دے تب بھی اس کی امامت مشکوک ہے ؟

جواب: یہ سوال عجیب اور غیر واضح ہے پس پہلی بات تو یہ ہے کہ سامری نے بنی اسرائیل کو کیسے اس بات پر مطمئن کر

لیا تھا کہ یہ بچھڑا ہی تمھارا ربّ ہے ؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ جعفر والے واقعہ میں بہت ساری پیچیدگیاں اور بہت سارے دقیق مسائل ہیں کہ جن کے بیان کی دامن وقت میں گنجائش نہیں۔

سوال ۴ : اصحابِ کہف کی تعداد میں اختلاف کو اس مقام پر کیسے دلیل بنایا جاسکتا ہے جبکہ اصحابِ کہف کی موجودگی ایک ثابت شدہ بات ہے اور یہاں پر مسئلہ اس کے برعکس ہے ؟

جواب: ہم کہہ چکے ہیں کہ بنی اسرائیل میں اختلاف اصحابِ کہف کی تعداد میں تھا بلکہ ان کے اسماء تک میں بھی اختلاف تھا، یعنی ان کی تعداد اور اسماء میں اختلاف کے باوجود کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ اختلاف اصحابِ کہف کے نہ ہونے پر بہترین دلیل ہے، یعنی کسی نے بھی آج تک یہ نہیں کہا چونکہ ان کے اسماء اور تعداد میں اختلاف ہے لہٰذا ان کا وجود ہی نہیں ہے۔

سوال ۵ : من انکر حدیث المھدی عجل اللہ فرجہ الشریف فقد کفر۔ یعنی "جس نے بھی امام مھدی علیہ السلام کے بارے میں انکار کیا اس نے کفر کیا" آپ کے نزدیک کیا یہ حدیث مستند ہے اور اس حدیث میں کفر سے کیا مراد ہے ؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک جہت سے اشکال ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کی سند ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہاں کفر سے مراد انکارِ امامت ہے۔ جیسا کہ حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ یعنی جو بھی اپنے وقت کے امام کی معرفت کے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ پس اس حدیث میں جاہلیت سے مراد یہ نہیں کہ وہ کافر مرا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ ہے اس کا نہ کوئی ہادی ور ہنما ہے اور نہ ہی دنیا و آخرت میں اس کا کوئی مددگار ہوگا، اور میں کہہ چکا ہوں کہ جو امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کے وجود کا انکار کرتا ہے، میں اس پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگاتا بلکہ وہ شخص مذہبِ جعفریہ سے خارج ہے۔

سوال ۶ : بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آخری زمانے میں رونما ہونے والے حادثات و واقعات امام علیہ السلام کے ظہور کی دلیل یا ان کے ظہور کی علامات ہیں ؟

جواب: امام الحجہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کی علامات معیّن شدہ ہیں جو اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں مذکور ہیں، ان علامات میں سے بعض حتمی ہیں یعنی جن کے فوراً بعد ظہورِ امام علیہ السلام ہو گا، اور بعض علامات غیر حتمی ہیں، یعنی جن کے ظاہر ہونے کے بعد شاید ظہورِ امام علیہ السلام ہو اور شاید نہ ہو، وہ علامات جو غیر حتمی ہیں ان میں سے اکثر ظاہر ہو چکی ہیں، البتہ حتمی علامات میں سے ابھی تک کوئی بھی ظاہر نہیں ہوئی، اور یہ لوگوں اور شیعوں کے درمیان اختلافات بہت عرصہ پہلے سے موجود ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں۔

سوال ۷: کیا کوئی ایسا شخص ہے کہ جو امام عجل اللہ فرجہ الشریف سے زمانہ غیبت میں براہِ راست ملا ہو؟ یا پھر امام علیہ السلام سے ملاقاتیں تو ہوتی ہیں لیکن ملنے والے یہ نہیں جانتے کہ یہی امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں؟ اور اگر امام علیہ السلام سے براہِ راست ملاقات کرنا ناممکن ہے تو وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے ہم امام علیہ السلام کو نہیں مل سکتے ؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم گزشتہ جلسہ میں کہہ چکے ہیں کہ وہ بات جسے ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ امام علیہ السلام کے سفیر ہونے کا دعویٰ ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ امام علیہ السلام کا پانچواں سفیر ہے باوجود اس کے کہ یہ بات ثابت ہے کہ امام علیہ السلام کے خصوصی سفیر فقط چار ہیں، باقی رہا یہ کہ امام علیہ السلام کی زیارت کرنا ممکن ہے یا نہیں تو زیارت کا شرف حاصل کرنا ممکن ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ شرف حاصل بھی ہو چکا ہے اور اسی طرح ہمارے بہت سے ایسے بزرگ علماء گزر چکے ہیں کہ جن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ امام علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔
لیکن جس شخص کو بھی زیارت کا شرف حاصل ہو جب تک اسے امام علیہ السلام حکم نہ دیں وہ کسی کے سامنے بھی اس کا اظہار نہ کرے، امام علیہ السلام کی زیارت کے واقعات میں ملتا ہے کہ جس شخص کی امام علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اسے ملاقات کے بعد یعنی امام علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد پتہ چلا کہ وہ امام علیہ السلام کے حضور میں تھا۔ اسی طرح منقول ہے کہ جو شخص بھی امام علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے اس کے ذہن میں امام علیہ السلام کی شکل وصورت قطعاً باقی نہیں رہتی پس جب کبھی دوسری مرتبہ اسے زیارت کا شرف حاصل ہوتا ہے تو وہ دیکھتے ہی امام علیہ السلام کو نہیں پہچان سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ امام علیہ السلام کو مخفی رکھنا چاہتا ہے۔
والحمدللہ ربّ العالمین

تیسری نشست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ افضل الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد وآلہ الطیّبین الطاھرین المعصومین

واللعنۃ الدائمۃ علیٰ اعدائھم الیٰ قیام یوم الدین

یاصاحب الزمان ادرکنی عجّل اللہ فرجہ

ہماری گفتگو ان شبہات اور اعتراضات کے بارے میں چل رہی ہے جو دشمنان اہل بیت علیہم السلام نے بارہویں امام عجّل اللہ فرجہ کی ولادت کے حوالے سے کیے ہیں۔ گزشتہ جلسہ میں ہم نے فقط دواشخاص کی جانب سے کیے گئے اعتراضات اور شبہات کے بارے میں گفتگو کی، جن میں سے پہلا ابن تیمیہ ہے جس کا تعلق دمشق سے ہے اور دوسرا احسان الٰہی ظہیر کہ جس کا تعلق پاکستان کے وہابیوں سے ہے، ان دونوں نے باقیوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی اس مسئلہ میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور ہم نے گزشتہ جلسہ میں ان کے ان شبہات کے منہ توڑ جواب دیئے جن شبہات کو بعض کم فہم لوگ اپنے نظریہ پہ دلیل سمجھتے ہیں، اور آج انشاءاللہ ہم اپنے بارہویں امام عجّل اللہ فرجہ کی ولادت کے بارے میں تواتر کو ثابت کریں گے جیسا کہ ہم نے گزشتہ جلسہ میں کہا کہ وہ روایات کہ جن کی طرف ہم تواتر کو ثابت کرنے کے لیے رجوع کرسکتے ہیں وہ چار قسم کی ہیں۔

پہلی اور دوسری قسم

اس قسم میں ائمہ علیہم السلام کے وہ ارشادات ہیں کہ جن میں انھوں نے اس مولود مبارک کے بارے میں تعیین فرمائی کہ وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے ہی بیٹے ہوں گے، اور اس موضوع میں وارد شدہ روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور بہت سی روایات ایسی بھی ہیں کہ جن میں فقط بارہویں امام علیہ السلام کی صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوں گے، اور لوگ ان کے بچپنے سے ہی ان کے بارے حیران و پریشان ہوں گے۔ ہم ان میں سے ان روایات کو لیں گے جو روایات اس بات کی تعیین کرتی ہیں کہ بارہویں امام علیہ السلام امام حسن عسکری علیہ السلام کے ہی فرزند ہیں، تاکہ احسان الٰہی اور ابن تیمیہ کے اس دعویٰ کو جھوٹا ثابت کیا جاسکے کہ جس میں وہ کہتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام بے اولاد فوت ہوئے، یہ ایک جھوٹا پراپیگنڈہ ہے، کیونکہ بہت ہی زیادہ ایسی روایات موجود ہیں کہ جن میں کہا گیا ہے کہ حضرت امام مہدی عجّل اللہ فرجہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے ہیں، اور وہ ائمہ میں سے بارہویں امام ہیں، اور ہم ان روایات کی اتنی تعداد بیان کرتے ہیں کہ جس سے تواتر ثابت ہو جائے اور انشاءاللہ گفتگو کے اختتام پہ یہ بات ظاہر ہو ہی جائے گی۔

شیخ صدوق اپنی کتاب " اکمال الدین واتمام النعمہ صفحہ ۳۱۵ حدیث نمبر ۲ " میں لکھتے ہیں کہ جب امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:۔

" اذاخرج ذلک التاسع من ولد اخی الحسین ابن سیدۃ الاماء یطیل اللہ عمرہ فی غیبتہ ثم یظھرہ" ۔۔۔ الخ

ترجمہ:۔" میرے بھائی حسین علیہ السلام کی اولاد سے نواں امام پیدا ہو گا جس کی عمر غیبت میں اللہ طولانی فرمائے گا اور پھر ان کو ظاہر کرے گا"۔۔۔ تا آخر

پہلے امام حضرت علی علیہ السلام، دوسرے امام حسن علیہ السلام اور تیسرے امام حسین علیہ السلام ہیں اور امام حسین علیہ السلام کی نسل میں سے نویں امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں۔ روایت میں اس کی تعیین کر دی گئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف نویں امام علیہ السلام ہوں گے، اس عبارت کا معنی یہ بنتا ہے کہ ان کی ولادت ہو چکی ہے کیونکہ امام حسین علیہ السلام کی نسل سے آٹھویں امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں جو کہ اپنے آباؤاجداد کے ساتھ جنت میں ہیں، پس نویں امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف ہی باقی ہیں۔

اسی طرح امام حسین ابن علی علیہ السلام نے فرمایا:۔

"فی التاسع من ولدی سنۃ من یوسف سلام اللہ علیہ"

(اکمال الدین واتمام النعمہ صفحہ نمبر ۳۱۶ حدیث نمبر ۱)

ترجمہ:۔"میری اولاد میں سے نویں امام میں سنّتِ یوسف پائی جائے گی"

ایک اور روایت میں امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"قائم ھذہ الامۃ ھو التاسع من ولدی وھو صاحب الغیبۃ"

(اکمال الدین واتمام النعمہ صفحہ ۳۱۷ حدیث نمبر ۲)

ترجمہ: " اس امت کا قائم میری اولاد سے نواں امام علیہ السلام ہے اور وہ پردہ غیبت میں رہے گا"

اسی طرح ایک اور مقام پر سید الشہداء علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"منا اثناعشر مھدیا اوّلھم امیر المؤمنین علی بن ابی طالب و آخرھم التاسع من ولدی وھو الامام القائم بالحق یحیی اللہ بہ الارض بعد موتھا ویظھر بہ دین الحق علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون، لہ غیبۃ یرتد فیھا اقوام، یثبت علی الدین فیھا اٰخرون، فیؤذون ویقال لھم، متی ھذا الوعد ان کنتم من الصادقین، اما ان الصابر فی غیبتہ علی الاذی والتکذیب بمنزلۃ المجاھد بالسیف بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم"

(اکمال الدین واتمام النعمہ صفحہ ۳۲۳ حدیث نمبر ۶)

ترجمہ: "ہم اہلبیت میں بارہ مہدی ہیں ان میں سے پہلے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں اور آخری میری اولاد میں سے نویں امام علیہ السلام ہیں اور یہ وہی امام علیہ السلام ہیں جو حق کے ساتھ قیام فرمائیں گے یعنی حق کی سر

بلندی کے لیے جہاد کا جھنڈا بلند کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا اور اسی امام علیہ السلام کے ذریعے دینِ حق کو تمام ادیان پر غالب کرے گا اگرچہ مشرکین کو ایسا پسند نہیں ہے اس امام علیہ السلام کے لیے ایک غیبت کا زمانہ ہے یعنی ایک عرصے تک وہ لوگوں کی نظروں سے غائب رہیں گے۔

بہت سی قومیں اور لوگ اس غیبت کے زمانہ میں مرتد ہو جائیں گے اور دوسرے جو لوگ اس زمانہ میں دین پر ثابت قدم رہیں گے ان کو دکھ اور تکلیفیں دی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا، اگر تم سچے ہو تو تمہارا وعدہ کب پورا ہو گا، یعنی امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا وعدہ کب پورا ہو گا اور جو شخص بھی زمانہ غیبت میں ان مصیبتوں اور اپنے جھٹلائے جانے پر صبر کرتا رہے گا اس کا ثواب اور مقام اس مجاہد جیسا ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ تلوار سے جہاد کیا"

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جو ائمہ علیہم السلام سے مروی ہیں ہم ان میں سے فقط بعض کی طرف اشارہ پر ہی اکتفاء کریں گے۔

حضرت علی بن حسین زین العابدین علیہما السلام فرماتے ہیں:۔

"القائم منّا تخفی ولادتہ علی الناس حتی یقولوا: لم یولد بعد لیخرج حین یخرج ولیس لاحد فی عنقہ بیعۃ"

(اکمال الدین واتمام النعمہ صفحہ ۳۳۰ حدیث نمبر ۱۴۔)

ترجمہ: "ہم اہلبیت میں سے القائم کی ولادت لوگوں سے مخفی رہے گی یہاں تک کہ لوگ کہیں گے کہ وہ پیدا ہی نہیں ہوئے، اور پھر جب وہ ظاہر ہوں گے تو ظہور کے بعد ان پر کسی کا بھی تسلط نہ ہو گا یعنی ان پر کوئی بھی حاکم نہ ہو گا بلکہ وہ خود پوری دنیا پر حاکم ہوں گے"

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں ہمارے القائم یعنی حضرت مہدی علیہ السلام کی ولادت لوگوں سے پوشیدہ رہے گی، یہاں تک کہ لوگ کہیں گے وہ پیدا ہی نہیں ہوئے اس کا مطلب ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام جانتے تھے کہ کل کو احسان الٰہی ظہیر اور اس جیسے دوسرے لوگ اپنے امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت سے انکار کریں گے، اسی وجہ سے امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ہم اہلبیت میں سے قائم کی ولادت مخفی رہے گی اور بعض لوگ ولادت کا انکار کریں گے۔

امام باقر علیہ السلام سے مروی روایات:

شیخ صدوقؒ اپنی کتاب "اکمال الدین واتمام النعمہ صفحہ ۳۳۰ حدیث نمبر ۱۴" میں ام ہانی ثقفیہ سے روایت نقل کرتے ہیں

جو کہ اپنے وقت کی بہت ہی نیک و پرہیزگار خاتون تھیں اور اپنی شرافت اور زہد کی وجہ سے مشہور تھیں، ام ہانی کہتی ہیں کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا:

اے میرے آقا و مولا علیہ السلام! اللہ کے اس قول سے کیا مراد ہے؟

"فلا اقسم بالخنّس الجوار الکنّس" (سورہ تکویر آیت نمبر ۱۶۔۱۵)

ترجمہ: "مجھے قسم ہے اُن ستاروں کی جو دن میں چھپ جاتے ہیں اور رات میں ظاہر ہوتے ہیں اور قدرت الٰہی سے تعیین شدہ راستے پر حرکت کرتے ہیں"

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:۔

اے ام ہانی!

تم نے بہت ہی اچھا سوال کیا ہے، یہاں اس آیت سے مراد وہ مولود ہیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور یہ مولود مہدی علیہ السلام ہیں کہ جو ہم اہلبیت سے ہیں امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں لوگ حیران و پریشان ہوں گے اور وہ ایک طویل عرصہ تک لوگوں کی نظروں سے مخفی رہیں گے اس عرصۂ غیبت میں کچھ قومیں گمراہ ہو جائیں گی اور کچھ ہدایت پر باقی رہیں گی اگر تم نے امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان کی زیارت سے مشرف ہوئی تو یہ تمہاری بہت بڑی خوش قسمتی ہوگی بلکہ ہر وہ شخص جو انھیں پائے گا وہ بہت ہی خوش قسمت ہوگا۔

امام صادق علیہ السلام سے مروی روایات:۔

امام صادق علیہ السلام سے بہت زیادہ روایات اس موضوع پر نقل ہوئی ہیں ان میں سے چند ایک کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

صفوان بن مہران امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

"من أقر بجمیع ائمۃ علیہم السلام وجحد المھدی علیہ السلام کان کمن اقر بجمیع الانبیاء وجحد محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوتہ"

ترجمہ: "جو شخص تمام آئمہ علیہ السلام کی امامت کا اقرار کرے لیکن امام مہدی علیہ السلام کی امامت سے انکار کر دے تو گویا وہ ایسے ہے جیسے کسی نے تمام انبیاء علیہم السلام کا اقرار کیا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت سے انکار کیا"

اس کے بعد کسی نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت مہدی علیہ السلام آپ کے کون سے بیٹے ہیں؟ تو جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا:۔

"الخامس من ولد السابع یغیب عنکم شخصہ ولا یحل لکم تسمیتہ"

ترجمہ: " وہ ساتویں امام (موسیٰ کاظم علیہ السلام) کی نسل سے پانچویں امام علیہ السلام ہوں گے وہ ظاہری طور پر آپ لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ ہو جائیں گے اور کسی شخص کے لیے اس کا نام لینا حلال و جائز نہیں"

(اکمال الدین و اتمام النعمہ صفحہ ۳۳۳،۳۳۸)

ایک اور روایت میں جو ابن محمد الحمیری نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے، یہ ایک طویل روایت ہے اس میں ابن محمد الحمیری کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا:۔

یا بن رسول اللہ!

آپ کے آباؤ اجداد سے غیبت اور اس کے درست ہونے کے بارے میں ہمارے لیے بہت سی اخبار مروی ہیں، پس مجھے بتائیں کہ وہ کون ہے جو غیبت میں رہے گا؟

امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:۔

"ان الغیبۃ ستقع بالسادس من ولدی وھو الثانی عشر من الائمۃ الھداۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولھم علی ابن ابی طالب علیہ السلام و آخر ھم القائم بالحق بقیۃ اللہ فی الارض وصاحب الزمان خلیفۃ الرحمن۔ واللہ لو بقی فی غیبتہ ما بقی نوح فی قومہ لم یخرج من الدنیا حتی یظھر فیملأ الارض قسطاوعدلا کما ملئت ظلما وجوراً"

(اکمال الدین اتمام النعمۃ ص ۳۳)

ترجمہ: " میری اولاد سے چھٹے امام علیہ السلام پردہ غیبت میں رہیں گے اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ائمہ طاہرین علیہم السلام میں سے بارہویں امام علیہ السلام ہوں گے جن بارہ میں سے پہلے حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں اور آخری القائم بالحق ہیں یعنی وہ اسلام کی سربلندی کے لیے قیام فرمائیں گے اور جہاد کریں گے اور یہی بارہویں امام بقیۃ فی الارض کے مصداق ہیں وہ اپنے وقت کے حاکم اور الرحمن کے خلیفہ ہوں گے"

(پھر امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں)

" اللہ کی قسم چاہے وہ اتنا عرصہ پردہ غیبت میں رہیں جتنا عرصہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں رہے تب بھی وہ ظاہر ہوئے بغیر دنیا سے نہیں جائیں گے، پس جب ظاہر ہوں گے تو زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے پُر کر دیں گے جیسے وہ پہلے ظلم وجور سے پُر ہو چکی ہو گی"

(اکمال الدین و اتمام النعمہ صفحہ ۳۳،)

ہمارے ائمہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کی بدولت اس طرح سے سب کچھ جانتے ہیں۔ ایک اور مقام پر امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''قال: ان اللہ تعالی خلق اربعۃ عشر نورا قبل الخلق باربعۃ عشر الف عام فھی ارواحنا

فقیل لہ: یابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و من اربعۃ عشر؟

فقال: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی علیہ السلام وفاطمۃ علیہا السلام والحسن علیہ السلام والحسین علیہ السلام وآئمۃ من ولد الحسین علیہ السلام آخرھم القائم الذی یقوم بعد غیبتہ فیقتل الدجال ویطھر الارض من کل جور و ظلم''

(اکمال الدین واتمام النعمۃ ص ۳۳۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے خلقت سے چودہ ہزار سال پہلے چودہ نور خلق کیے پس یہ نور ہماری روحیں ہیں، یعنی ہم چودہ معصومین علیہ السلام کی ارواح ہیں، کسی نے سوال کیا یابن رسول اللہ یہ چودہ کون کون ہیں تو امام علیہ السلام نے فرمایا یہ چودہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ علیہا السلام، حضرت حسن علیہ السلام، حضرت حسین علیہ السلام اور باقی امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے آئمہ ہیں، ان میں سے آخری چودھویں حضرت القائم علیہ السلام ہیں جو ایک عرصہ پوشیدہ رہنے کے بعد ظاہر ہوں گے اور ظلم کے خلاف قیام فرمائیں گے، پس وہ دجّال کو قتل کریں گے اور زمین کو ہر قسم کے ظلم و ستم سے پاک کر دیں گے''

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول روایت:

امام موسی کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''اذا فقد الخامس من ولد السابع فاللہ اللہ فی ادیانکم لا یزیلنکم احد عنھا۔

یابنی! انہ لابد لصاحب ھذا الامر من غیبۃ حتی یرجع عن ھذا الامر من کان یقول بہ۔ انما ھی محنۃ من اللہ عزوجل امتحن اللہ بھا خلقہ ولو علم آباءکم واجدادکم دیناً اصح من ھذا لاتبعوہ۔

فقلت: یاسیدی و من الخامس من ولد السابع؟

فقال: یابنی عقولکم تصغر عن ذلک واحلامکم تضیق عن حملہ ولکن ان تعیشوا فسوف تدرکونہ'' (۱)

ترجمہ: جب ساتویں امام (موسیٰ کاظمؑ) کی اولاد سے پانچواں امام پردہ غیبت میں چلا جائے گا تو اس وقت خدا کے لیے اپنے دین پر ثابت قدم رہنا کوئی بھی تم کو تمہارے دین سے ہٹا نہ پائے۔

اے میرے بیٹے: ادائیگی امر عظیم کی خاطر صاحب امر کا پردہ غیبت میں جانا بہت ضروری ہے، تاکہ یہ خلافت جو کہ ان کا حق ہے ان کو مل سکے، یہ غیبت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو آزمائے گا، اور اگر تمہارے آباءاجداد اس دین کے علاوہ کسی دین کو بھی صحیح پاتے تو اس دین کی پیروی نہ کرتے''

راوی کہتا ہے میں نے امام علیہ السلام سے سوال کیا میرے مولا وآقا ساتویں امامؑ کی اولاد سے پانچویں امام کون ہیں؟

تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اے میرے بیٹے! تمہاری عقول اور افکار اتنی وسیع نہیں کہ اس کو سمجھ سکو لیکن اگر تم باقی رہے تو اسے درک کر لو گے"

امام علی رضا علیہ السلام سے منسوب روایات:۔

"کتاب اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۳۷۲، حدیث نمبر ۶" میں عبد السلام بن صالح الھروی سے ایک روایت مروی ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ میں نے دِعبل بن علی الخزاعی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن میں نے یہ قصیدہ حضرت امام علی ابن موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پڑھا جس قصیدہ کی ابتداء اس شعر سے ہے۔

مدارس آیات خلت من تلاوۃ

ومنزل وحی مقفر العرصات

(وہ مدرسے جن میں قرآنی آیات کی تعلیم و تفسیر ہوتی تھی وہ اب آیات کی تلاوت سے خالی ہو چکے ہیں، اور وہ صحن (گھر) جہاں جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوتے تھے اب وہ غیر آباد ہو چکے ہیں)

دعبل کہتا ہے جب نے قصیدہ کو اپنے ان دو اشعار پہ ختم کیا تو امام علی رضا علیہ السلام نے بہت گریہ کیا۔

خروج امام لا محالۃ خارج

یقوم علی اسم اللہ والبرکات

(امام علیہ السلام ہر صورت میں ظہور فرمائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی خاطر قیام فرمائیں گے، اور اللہ کی مدد اور خیر و برکت ان کے ساتھ ہو گی)

یمیز فینا کل حق و باطل

ویجزی علی النعماء والنقمات

---

(۱) دلائل الامامہ طبری ص ۵۳۴ حدیث ۵۱۶۔ الغیبہ طوسی ص ۳۷۷، مسائل علی بن جعفر ص ۳۲۵ حدیث ۸۱۰، الامامۃ والتبصرہ ص ۱۱۳ حدیث ۱۰۰، الکافی جلد ۱ ص ۳۳۶ حدیث ۲، علل الشرائع جلد ۱ ص ۲۴۴ حدیث ۴، اکمال الدین و اتمام النعمہ

(وہم میں سے ہر حق پرست اور باطل پرست کو واضح و ممیز کر دے گا، اور نیک اعمال کرنے والوں کو جزائے خیر عطا کرے گا اور بد اعمال کرنے والوں کو سزا دے گا)

پھر امام علیہ السلام نے میری طرف دیکھا اور فرمایا:۔

اے خزاعی!

یہ آخری دو شعر جبرائیل نے تمہاری زبان پر جاری کیے ہیں کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون سے امام علیہ السلام ہیں جو حق کے لیے انقلاب برپا کریں گے۔

خزاعی نے جواب دیا:

"نہیں مولا میں، نہیں جانتا لیکن میں نے آپ سے اس امام علیہ السلام کے بارے میں سن رکھا ہے جو زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کرے گا اور زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پر کر دے گا جیسے وہ پہلے ظلم و ستم سے بھری ہو گی"

امام علی رضا علیہ السلام:

اے دعبل میرے بعد میرا بیٹا محمد علیہ السلام امام ہو گا، محمد علیہ السلام کے بعد اس کا بیٹا علی (نقی) علیہ السلام امام ہو گا ،اور علی علیہ السلام کے بعد اس کا بیٹا حسن عسکری علیہ السلام امام ہو گا اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے بعد اس کا بیٹا الحجۃ القائم (عجل اللہ فرجہ) امام ہو گا، جو کہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا ان کا ظہور ہر حال میں ہو کر رہے گا ،چاہے قیامت کے آنے میں ایک دن ہی کیوں نہ رہ جائے اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا لمبا کر دے گا کہ وہ ظہور فرما کر پوری دنیا کو اس طرح عدل و انصاف سے پُر کر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔

باقی رہا وہ کب ظہور فرمائیں گے تو میرے والد نے مجھے بتایا اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے نقل کیا .پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کی اولاد سے القائم (عجل اللہ فرجہ) کا ظہور کب ہو گا ؟تو رسول خدا صلی علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:۔

امام علیہ السلام کے ظہور کی مثال قیامت کی سی ہے کہ جس قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا پس اچانک ہی کسی لحمہ آجائے گی اور یہ لحمہ زمین و آسمان پر بھاری ہے۔(1) (اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۳۷۲حدیث نمبر ۶)

شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب "اکمال الدین واتمام النعمہ" (ص۳۷۷،حدیث نمبر۱) میں امام جواد علیہ السلام سے مروی

روایت کو ذکر کیا ہے جس میں راوی کہتا ہے کہ مجھے عبد العظیم بن عبد اللہ بن علی الحسنی نے بتایا کہ ایک دن میں امام محمد بن علی الجواد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، میں چاہتا تھا کہ ان سے القائم عجل اللہ فرجہ کے بارے میں سوال کروں کہ آیا امام مھدی علیہ السلام ہی "القائم" ہیں یا کوئی اور ؟

پس میرے سوال کرنے سے پہلے ہی امام جواد علیہ السلام مجھے مخاطب کر کے فرماتے ہیں اے ابو القاسم (عبد العظیم کی کنیت ابو القاسم ہے) القائم عجل اللہ فرجہ ہم اہلبیت سے ہیں جو مھدی علیہ السلام ہی ہیں ہر شخص کے لیے زمانہ غیبت میں ان کا انتظار کرنا واجب ہے اور ان کے ظہور کے بعد ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی فرمانبرداری کرے، مھدی علیہ السلام میری اولاد سے تیسرے امام ہیں، مجھے اس خدا کی قسم کہ جس نے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور عہدہ امامت کو ہم اہلبیت کے لیے فقط خاص قرار دیا اگر قیامت آنے میں صرف ایک دن بھی باقی بچا تو تب بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا لمبا کر دے گا کہ امام مھدی عجل اللہ فرجہ ظہور فرما کر پوری زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح پر کر دیں گے، جس طرح وہ پہلے ظلم وستم سے بھری پڑی ہو گی اور اللہ تعالیٰ امام مھدی عجل اللہ فرجہ کے امور اور معاملات کو ایک ہی رات میں اس طرح سنوار دے گا جیسے اللہ نے اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کے مسائل اور امور کو اس وقت سنوار دیا جب وہ اپنی زوجہ کے لیے (کوہ طور پر) آگ لینے گئے، لیکن جب واپس لوٹے تو ایک رسول اور نبی کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، پھر امام جواد علیہ السلام فرماتے ہیں ہمارے شیعوں کے لیے بہترین عمل امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کے ظہور کا انتظار کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں جو امام محمد تقی الجواد علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہیں، لیکن ان روایات کا مطلب اور موضوع ایک ہی ہے۔

پس کتاب "اکمال الدین واتمام النعمہ" (ص ۴۰۹ حدیث نمبر ۹) میں ایک روایت ہے جس میں محمد بن عثمان العمریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے ایک دن میں ابو محمد الحسن بن علی علیہما السلام کے حضور موجود تھا کہ کسی نے ان سے ان کے آباءواجداد علیہم السلام کی طرف منسوب اس حدیث کے بارے میں سوال کیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ زمین قیامت تک کبھی بھی اللہ کی مخلوق پر اس کی حجت سے خالی نہیں رہ سکتی، اور اگر کوئی اپنے وقت اور زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر گیا گویا وہ جاہل مرا۔

---

(1) اس کے علاوہ بھی امام علی رضا علیہ السلام سے اس موضوع پر بہت سی روایات منقول ہیں۔ ان روایات کے لئے کتاب 'اکمال الدین واتمام النعمۃ صفحہ ۳۶۹، باب نمبر ۳۵ دیکھیں

امام حسن عسکری علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:۔

یہ بات بالکل اسی طرح حق ہے جس طرح یہ دن حق ہے (جب امام علیہ السلام یہ فرما رہے تھے تو اس وقت دن تھا) پس امام علیہ السلام نے فرمایا:"جس طرح اس دن کا موجود ہونا صحیح ہے اسی طرح اس روایت اور خبر کا بھی صحیح ہونا ثابت ہے"

پھر امام حسن عسکری علیہ السلام سے پوچھا گیا:۔

اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے پس آپ کے بعد کون اللہ کی حجت اور امام ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔

"میرے بعد میرا بیٹا محمد عجل اللہ فرجہ الشریف اللہ کی حجت اور امام ہے اور جو بھی اس کی معرفت کے بغیر مر گیا گویا کہ وہ جاہلیت کی موت مرا، البتہ اس کے لیے ایک زمانہ غیبت ہے جس میں جاہل حیرت زدہ اور متحیر ہوں گے، باطل پرست اس زمانہ غیبت میں تباہی اور ہلاکت کا شکار ہوں گے اور وقت کی تعیین کرنے والے اس زمانہ میں (امام علیہ السلام کے ظہور) کے بارے میں جھوٹ بولیں گے، اور پھر (بعد میں کہیں جا کر) امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف ظہور فرمائیں گے، (امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں) جیسا کہ میں ان سفید جھنڈوں اور علموں کو دیکھ رہا ہوں جو نجف (کوفہ) میں ان کے سر مبارک پہ لہرا رہے ہیں"

اس موضوع پر امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی اولاد سے تمام آئمہ اطہار علیہ السلام سے بہت زیادہ روایات منقول ہیں جن میں واضح الفاظ میں امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کا ذکر موجود ہے ان روایات میں سے چند ایک کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

روایات کی تیسری اور چوتھی قسم

تیسری اور چوتھی قسم کا تعلق ان روایات سے ہے جو ایسے اشخاص کے وجود پر دلالت کرتی ہیں جن اشخاص نے امام علیہ السلام کی زیارت اس وقت کی جبکہ وہ بچپنے میں اپنے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کی گود میں تھے، جیسے جناب سیدہ حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا جو کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی ہیں اور امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کی شاہد بھی ہیں یا مثلاً امام حسن عسکری علیہ السلام کے وہ خدام کہ جنھوں نے امام الحجۃ عجل اللہ فرجہ الشریف کو اپنے والد کے گھر میں بچپنے کی حالت میں دیکھا، اس طرح کی روایات بہت زیادہ ہیں جو ایسے افراد کی نشان دہی کرتی ہیں، ہم فی الحال ان راویوں کے ناموں کو ذکر کریں گے جنھوں نے یہ روایات بیان کی ہیں اور ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں.

محمد بن العطار (اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۵، حدیث نمبر ۱۲) الحسین بن علی (اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۲، حدیث نمبر ۱۲) حکیمہ بنت محمد بن القاسم بن حمزہ (الکافی جلد ۱ ص ۳۳۰) جعفر بن محمد بن مسرور (اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۰ حدیث نمبر ۳) الحسین بن محمد اور یہ وہ راوی ہے جس نے خود امام علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا (اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۰) اس طرح علی بن محمد سے ایک روایت مروی ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ میں نے خود امام علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

(کتاب الغیبۃ ص ۲۹۳ مصنف شیخ طوسی)

ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے خادم نسیم سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں نسیم کا امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کرنا مذکور ہے۔

(کتاب الغیبۃ ص ۲۴۴ مصنف شیخ طوسی)۔

ایک اور مقام پر ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ نے ہی امام حسن عسکری علیہ السلام کی ایک کنیز کہ جس کا نام ماریہ تھا اس سے روایت نقل کی ہے جس میں اس کا امام علیہ السلام کی زیارت کا ذکر ملتا ہے۔

(اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۰ حدیث نمبر ۵)

شیخ کلینیؒ نے بھی ابراہیم بن محمد کی طرف منسوب ایک روایت ذکر کی ہے جو ابراہیم نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے خادم نسیم سے نقل کی ہے۔

(کتاب الغیبۃ ص ۲۳۲ مصنف شیخ طوسی)

اسی طرح امام علیہ السلام کے خادم نسیم نے خود بھی اس واقعہ کو ایک اور روایت میں ذکر کیا ہے۔

(کتاب الغیبۃ ص ۲۳۲ مصنف شیخ طوسی)

محمد بن العطار وغیرہ نے اسحاق بن ریاح البصری سے اور اس نے ابی جعفر العمری سے نقل کیا ہے کہ ابی جعفر نے امام مھدی علیہ السلام کی اس وقت زیارت کا شرف حاصل کیا جب وہ بچپنے کی حالت میں اپنے والد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں تھے۔

(اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۰ حدیث نمبر ۶)

محمد بن العطار نے علی الخیزرانی سے اور اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی ایک کنیز سے اس موضوع پہ ایک روایت نقل کی ہے۔

(اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۱ حدیث نمبر ۷)

اسی طرح حمیری کہتا ہے کہ مجھے محمد بن عثمان العمری نے بتایا ہے کہ میں امام مھدی علیہ السلام کی زیارت سے اس وقت مشرف ہوا جب وہ اپنے والد کی گود میں تھے۔

(اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۵ حدیث نمبر ۳)

محمد بن ابراہیم الکوفی اور المطہری ابو حکیم الطرفی سے بھی ایک واقعہ مروی ہے جس میں انہوں نے امام علیہ السلام کی زیارت کا ذکر کیا ہے۔

(کتاب الغیبۃ مصنف شیخ طوسی ص ۲۳۴ حدیث نمبر ۲۰۳)

ابن وجناء الحسن نے بھی امام علیہ السلام کی زیارت اس وقت کی ہے جب وہ بچپنے کی حالت میں اپنے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں تھے۔

(اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۷ حدیث نمبر ۲۵)

محمد بن الحسن الکرخی نے ابوہارون (جس کا تعلق امام حسن عسکری علیہ السلام کے اصحاب سے ہے) کے بارے میں نقل کیا ہے کہ مجھے ابوہارون نے بتایا ہے کہ میں نے امام مھدی علیہ السلام کی زیارت اس وقت کی جب وہ اپنے والد گود میں تھے۔

(اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۳۷ حدیث نمبر ۱)

ابن المظفر الحمیری اور محمد بن ابراہیم نے عثمان بن سعید العمری سے نقل کیا ہے کہ عثمان بن سعید العمری نے خود امام مھدی علیہ السلام کو دیکھا ہے۔

(اکمال الدین واتمام النعمۃ ص ۴۰۹ حدیث نمبر ۹)

احمد بن عبداللہ مھران نے احمد بن محمد بن الحسن سے اور اس نے اسحاق القمی سے نقل کیا کہ اس (اسحاق القمی) نے خود اپنی آنکھوں سے امام مہدی علیہ السلام کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا۔

(اکمال الدین واتمام النعمہ ص ۴۷۶ حدیث نمبر ۲۶)

عبداللہ بن العباس العلوی اور الحسن بن الحسین العلوی سے مروی ہے کہ انہوں نے امام مہدی عجل اللہ فرجہ کی زیارت ان کے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں کی۔

(کتاب الغیبۃ مصنف شیخ طوسی صفحہ ۲۵۱ حدیث نمبر ۲۲۱)

ابو محمد بن ضیرویۃ التستری اور ابو سہل بن مرقد نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے خادم عقید سے روایت نقل کی ہے کہ اس عقید نے خود امام مہدی علیہ السلام کو اپنے والد حضرت حسن عسکری علیہ السلام کی گود میں دیکھا۔

(اکمال الدین و اتمام النعمہ ص ۴۷۳ حدیث نمبر ۲۵)

الصفار نے محمد بن عبد اللہ المطہری سے اور اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی جناب حکیمہ بنت محمد بن علی علیہم السلام سے ولادتِ امام مہدی علیہ السلام کے بارے ایک طویل روایت کو نقل کیا ہے۔

(کتاب الغیبہ مصنّف الشیخ طوسیؒ صفحہ نمبر ۲۳۴ حدیث نمبر ۲۰۴)

اسی طرح ابن زکریا نے بھی محمد بن علی سے اور اس نے جناب حکیمہ بنت امام الہادی علیہا السلام سے ولادتِ امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں ایک لمبی روایت کو ذکر کیا ہے۔

(کتاب الغیبہ مصنّف الشیخ طوسیؒ صفحہ نمبر ۲۳۸ حدیث نمبر ۲۰۶)

اسی طرح شیخ طوسیؒ اپنی کتاب الغیبہ میں لکھتے ہیں کہ شلمغانی نے (اپنے مرتد ہونے سے پہلے) ابراہیم بن ادریس سے روایت نقل کی ہے جس میں ابراہیم بن ادریس کے بارے میں مذکور ہے کہ اس نے امام مہدی علیہ السلام کی زیارت ان کے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں کی۔

(کتاب الغیبہ صفحہ نمبر ۲۴۵ حدیث نمبر ۲۱۴)

ان ساری روایات کو بہت زیادہ اشخاص اور راویوں نے بیان کیا ہے۔ جن سب کا تعلق مختلف طوائف اور مختلف مقامات اور شہروں سے ہے، اور ان سب نے امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کی ہے، جبکہ امام علیہ السلام کم عمری کے عالم میں اپنے والد کی آغوش میں تھے، اور امام حسن عسکری علیہ السلام ان زائرین کو فرماتے ہیں:۔

یہ ہی وہ میرا بیٹا ہے جو تمہارا امام ہے اور زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے۔ اور یہی میرا وہ بیٹا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین کو ظلم وجور سے بھر جانے کے بعد عدل وانصاف سے پُر کر دے گا۔

پس مختلف قسم کے بہت سے لوگوں سے یہ روایات نقل کرنے کے بعد ہم یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ عام طور پر اتنے زیادہ لوگوں کا کسی غلط یا جھوٹی بات پر اکٹھا ہونا اور اتفاق کرنا محال اور ناممکن ہے اور جیسا کہ ہم تواتر کے معنی میں بیان کر چکے ہیں کہ اگر راویوں کی اتنی تعداد کسی ایک روایت کو بیان کرے کہ جس تعداد کا جھوٹ پر اکٹھا ہونا ناممکن ہو تو اس روایت یا خبر کو متواترہ کہیں گے۔ قرآن کے بعد غدیر اور ولادتِ امام زمانہ علیہ السلام میں ایسا تواتر ثابت ہے کہ اس جیسا تواتر کسی اور خبر میں ملنے کا تصور مشکل ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی یومِ غدیر کے اس عظیم تواتر کے ذریعے اپنے بندوں پہ اپنی حجت تمام کر دی۔

گزشتہ گفتگو کا خلاصہ

ہمارے پاس ولادتِ امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں چار قسم کی روایات موجود ہیں۔

پہلی قسم: اس قسم کا تعلق ان روایات سے ہے جو رسول اکرم صلیٰ اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام تک تمام معصومین علیہم السلام نے بیان کی ہیں اور ان روایات میں بارہویں امام علیہ السلام کی صفات اور خصوصیات کو ذکر کیا گیا ہے مثلاً وہ امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے حق کو ظاہر کرے گا، ان روایات میں امام مہدی علیہ السلام کی وہ صفات بیان کی گئی ہیں جو فقط انہی کے ساتھ خاص ہیں باقی ائمہ علیہم السلام میں یہ صفات نہیں ہیں، مثلاً امام مہدی علیہ السلام کا دنیا سے پوشیدہ رہنا، لوگوں کا ان کے بارے حیرت اور پریشانی کا شکار ہونا، اور ان کے علاوہ باقی صفات جو روایات میں موجود ہیں۔

دوسری قسم: دوسری قسم میں وہ روایات شامل ہیں، جن میں امام علیہ السلام کے بارے میں معصومین علیہم السلام نے تعیین فرمائی ہے کہ مثلاً وہ میری اولاد سے نویں امام علیہ السلام ہوں گے یا ساتویں امام علیہ السلام ہوں گے، اور اس طرح تقریبا تمام معصومین علیہم السلام نے ان کی تعیین فرمائی ہے، بلکہ بعض روایات میں تو ان کے نام کو بھی ذکر کیا گیا ہے، یہ روایات امام حسن و حسین علیہما السلام سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام تک تمام ائمہ سے مروی ہیں، اس طرح کی ساری روایات دوسری قسم میں داخل ہیں،

تیسری قسم: تیسری قسم میں وہ روایات شامل ہیں جو ان افراد کی نشاندہی کرتی ہیں، جنہوں نے امام علیہ السلام کو اپنے والد کی گود میں یا پھر ان کے گھر میں دیکھا۔

چوتھی قسم: اس قسم کا تعلق ان روایات سے ہے جن میں ان افراد کا ذکر ہے، جنہوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے یا امام حسن عسکری علیہ السلام کے خدام سے یا ان کے اصحاب سے یا امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی سے امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں سنا، یہ ساری روایات سوائے شاذ و نادر موارد کے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتیں، کیونکہ یہ تمام روایات سلسلہ کے اعتبار سے مختلف ہیں مثلاً اگر ایک روایت اس سلسلہ سے وارد ہوئی ہے تو دوسری کسی اور سلسلہ سے، اگر اس روایت کا راوی یہ شخص ہے تو دوسری روایت کا راوی کوئی اور شخص ہو گا، اور یہ روایات سلسلہ وار ظاہری طور پر شیخ صدوقؒ کے زمانہ تک موجود رہیں اور پھر شیخ صدوق نے ان روایات کو اپنی کتاب اکمال الدین واتمام النعمہ میں تحریر کر دیا، اور ان روایات کو ہمارے باقی علماء مثلاً شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب الغیبۃ میں اور نعمانی نے اپنی کتاب الغیبۃ میں جمع کیا ہے، اور اسی طرح دیگر علماء نے بھی اس سلسلہ میں بہت کام کیا جیسے علامہ مجلسیؒ نے اپنی کتابوں میں امام مہدی علیہ السلام سے متعلق روایات کو بڑے پیمانے پر جمع کیا ہے۔

اس واضح اور روشن تواتر (جس کو ہم نے ثابت کیا ہے) کے علاوہ بھی بہت سی معتبر روایات موجود ہیں کہ جن میں امام

مہدی علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کا بیٹا ہوں، اور یہ روایات ان کے وجود پر واضح دلیل ہیں۔

ان روایات کے باوجود ابن تیمیہ، احسان الٰہی ظہیر اور ان دونوں کے علاوہ حدیث کی دنیا میں کرائے کے قلم سے لکھنے والے افراد امام مہدی علیہ السلام کے وجود کو (العیاذ باللہ) خرافات سے تعبیر کرتے ہیں، اور امام علیہ السلام کی ولادت کے وقت رونما ہونے والے معجزات کے باوجود امام علیہ السلام کی ولادت سے اس لیے انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ امام علیہ السلام کی حقیقت سے جاہل ہیں، وہ امام علیہ السلام کو اپنے آئمہ جیسا سمجھتے ہیں جو عام لوگوں کی طرح درس پڑھتے اور اجتہاد کرتے ہیں، یہ تمام امور جو ہم نے بیان کیے ہیں ان عقلوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے جو بغض اور نفاق سے لبریز ہوں ان امور کو فقط وہی دل ہی قبول کرتے ہیں جو ایمان کے نور سے مکمل روشن ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ جو امام مہدی علیہ السلام کے وجود سے انکار کرتے ہیں، کس طرح ابلیس اور حضرت خضر علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرتے ہیں، باوجود اس کے کہ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے پیدا ہوا، اور حضرت خضر علیہ السلام کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے ہے۔ امام مہدی علیہ السلام کے زندہ رہنے میں شک کرنا گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت میں شک کرنا ہے، کیونکہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، پس جسے اللہ چاہے اسے قیامت تک زندہ رکھ سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے لایسئل عما یفعل وہم یسئلون (سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۲۳)

میرا خیال ہے کہ اگر یہ گفتگو جو مختصراً آپ بھائیوں اور بیٹوں کی خدمت میں عرض کی ہے کسی طریقہ سے ان کے پاس پہنچ جائے تو جس میں تھوڑی سی بھی عقل ہے وہ امام علیہ السلام کی ولادت میں شک نہیں کرے گا۔

اے اللہ ہمیں امام علیہ السلام کے انصار اور حمایت کرنے والوں میں شمار فرما اور ان کے قدموں میں شہادت نصیب فرما، اے خدایا ہمیں اس درخشاں مہتابِ امامت اور اس کی روشن پیشانی کی زیارت نصیب فرما، اے اللہ محمد و آل محمد پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔

والحمد للہ رب العالمین

سوالات وجوابات

تیسری نشست میں کیے جانے والے سوالات اور ان کے جوابات

سوال ۱ : بعض لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ جناب حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی جناب حکیمہ خاتون سلام اللہ علیہا سے دو روایتیں نقل ہوئی ہیں لیکن دونوں کی سند ضعیف اور مضمونِ کلام مختلف ہے پہلی روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کو اپنے ساتھ لے گئے اور دوسری روایت میں اس بات کا ذکر نہیں ہے؟

جواب: دونوں روایتوں میں سے ایک میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انھیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے کچھ عرصہ کے لیے لے گئے، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے امام علیہ السلام کو ان کے والد حسن عسکری علیہ السلام کے پاس واپس بھیج دیا، پس دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، پس ایک روایت میں اس بات کا ذکر موجود ہے اور دوسری میں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا ان روایتوں میں اختلاف بعض خصوصیات کی وجہ سے ہے، جن میں مضمونِ کلام کا انتہائی طویل ہونا بھی شامل ہے لیکن باوجود اس معمولی اختلاف کے اور بہت سی روایات ہیں جو امام علیہ السلام کے وجود پر دلالت کرتی ہیں اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال ۲ : امام علیہ السلام کے ظہور کا زمین کے ظلم ستم سے بھر جانے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ کیا اس سے مراد یہ ہے کہ جوں جوں زمین ظلم وستم سے بھرتی جائے گی، امام علیہ السلام کا ظہور قریب ہوتا جائے گا، اور کیا ظہور کے لیے پوری زمین کا ظلم وستم سے بھر جانا ضروری ہے، یعنی اگر پوری زمین ظلم وستم سے نہ بھری تو کیا امام علیہ السلام ظہور نہیں فرمائیں گے؟

جواب: روایات میں مذکورہ الفاظ سے یہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ ایک طویل عرصہ تک طاغوتی طاقتیں زمین پہ فتنہ انگیزیاں کرتی رہیں گی، لوگ مرتد ہوتے رہیں گے، اور دین کے چاہنے والوں کو اس فتنہ وفساد اور ظلم وجور کی وجہ سے مسلسل بہت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں گی، اور اس کے بعد کہیں جا کر امام علیہ السلام کا ظہور ہو گا،

لیکن زمین کے ظلم وستم سے بھر جانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہاں کوئی بھی مؤمن نہیں رہے گا، اگر ایسا ہو جائے تو امام علیہ السلام کے انصار کہاں سے آئیں گے، زمین کے ظلم وجور سے پُر ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے پاس سوائے ظہور امام علیہ السلام کے کوئی چارہ نہیں ہو گا اس کا یہ معنی نہیں کہ زمین پہ حق باقی نہیں رہے گا بلکہ حق ہمیشہ ظاہر رہے گا چاہے زمین ظلم وستم اور فساد سے پُر ہی کیوں نہ ہو جائے۔

سوال ۳: کیا ان دو باتوں میں جمع اور اتفاق ہو سکتا ہے کہ اہلسنت کے نزدیک امام علیہ السلام آخری زمانے میں پیدا ہوں گے، اور ہم (شیعہ) کہتے ہیں کہ امام مھدی علیہ السلام کی ولادت ہو چکی ہے اور وہ اس دنیا میں موجود ہیں۔
مندرجہ بالا دونوں نظریات میں جمع اور اتفاق کا طریقہ کار یہ ہے کہ سنی حضرات کے ہاں سنت حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اقوال میں منحصر ہے تو جب نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت مھدی علیہ السلام کی بشارت دی تھی تو اس وقت امام مھدی علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی تھی اور بعد میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے ہاں ان کی ولادت ہوئی؟

جواب: ان روایات کے درمیان جمع کا یہ طریقہ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں پہلے دو جلسوں میں کہہ بھی چکا ہوں کہ اکثر روایات یہ کہتی ہیں کہ وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوں گے اور بعض میں ہے کہ ان کی ولادت ہو چکی ہے، اور وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوں گے، اس آخری زمانے کو قیاس کے ذریعے آئمہ علیہم السلام کی تعداد کے ساتھ آپ نے محدود کر دیا ہے، حالانکہ آخری زمانے کا لفظ ایسا ہے کہ جس کی ہم تعیین نہیں کر سکتے اور بعض لوگوں نے ان روایتوں کو جمع کیا ہے وہ اس طرح سے ہے کہ سنّی حضرات کی کتابوں میں ہے کہ (انّہ سیظہر) یعنی وہ ظاہر ہوں گے اور وہاں کچھ روایات میں ہے کہ (ولد و سیظہر) یعنی ان کی ولادت ہو چکی ہے اور وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوں گے، تو ان روایات کو اس طریقہ سے ایک بات اور نقطہ پر جمع کیا جائے کہ دونوں میں ہے کہ وہ ظہور فرمائیں گے اور ایک میں ہے کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں تو جو پیدا ہو چکا ہے اسی کا بعد میں ظہور ہو گا، کیونکہ ظاہر وہی ہوتا ہے جو پہلے سے موجود اور مخفی ہو۔

سوال ۴: دعائے عہد میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ مذکور ہے (ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس) سورۃ روم آیت ۴۱۔ یہاں البحر سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ سمندر کے اندر بھی انسان رہتے ہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے زمین کے بہت سے حصے خشکی کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کو (البرّ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو سمندری جزیروں میں رہتے ہیں، جن کے ارد گرد سارا پانی ہی پانی ہوتا ہے ان جزیروں کو (البحر) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال ۵: امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہمارے قائم علیہ السلام اس دنیا میں ظاہر ہوں گے تو وہ اپنا ہاتھ لوگوں کے سروں پہ رکھیں گے جس سے لوگوں کی منتشر شدہ غیر کامل عقلیں جمع ہو جائیں گی اور قوتِ فکر اور عقل کامل ہو جائے گی۔

(بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۳۶، مختصر بصائر الدرجات صفحہ ۱۱۷)

اگر امام علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ معجزہ کا زمانہ نہیں ہے تو پھر آپ امام باقر علیہ السلام کی اس حدیث کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: بہت سے افراد نے علماء اور محققین سے اس کے برعکس سوال کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام تو پوری زمین کو فتح نہ کر سکے تو امام المنتظر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کیسے پوری زمین کو فتح کر لیں گے؟ تو اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس اس وقت وسائل مادی اور عادی قسم کے تھے اور انہیں غیر مادی وسائل کے استعمال کی اجازت نہیں تھی، لیکن اس کے برعکس امام المنتظر علیہ السلام معجزہ اور عقل سے ماوراء قوت سے لیس ہوں گے اور انہیں اس کے استعمال کی اجازت بھی ہو گی۔

سوال ۶: امام زمانہ علیہ السلام معجزہ کے بغیر ان ملکوں کا کیسے مقابلہ کریں گے کہ جو سپر پاور کے نام سے معروف ہیں؟ ان ملکوں کے پاس ایسا تباہ کن اسلحہ ہے کہ جس کا جزوی استعمال بھی پوری دنیا کو تباہ کر سکتا ہے؟

جواب: ہو سکتا ہے کہ ان سارے ممالک میں اسلام پھیل جائے، اور یہ سارا اسلحہ بغیر کسی زحمت کے مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے، کیا اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پہ قادر نہیں ہے؟

سوال۷ : روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ رمضان کے مہینہ میں آسمان سے صدا آئے گی، اور محرم کے مہینہ میں امام علیہ السلام کا ظہور ہو گا، کیا ان دونوں مہینوں کے درمیانی عرصہ میں امام علیہ السلام کو دشمنوں سے بہت زیادہ خطرہ نہ ہو گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنے سے پہلے کسی سے نہیں پوچھتا اللہ تعالیٰ وہی کرے گا، جس میں امام زمانہ علیہ السلام کے لیے مصلحت ہو گی۔

سوال۸ : زمانہ غیبت میں ہماری کیا ذمہ داری ہے خصوصاً ان دنوں میں جبکہ پوری دنیا فتنہ انگیزیوں سے بھر چکی ہے؟

جواب: اس بات کی طرف میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں کہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دین اور تقویٰ کو اختیار کریں خصوصاً ہم دینی طلباء کے لیے ضروری ہے کہ دین اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں اور لوگوں کو اس کی طرف ترغیب دیں، اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کریں، اور اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات کو اسلام کی رُو سے انجام دیں۔

سوال۹ :امام زمانہ علیہ السلام کے وجود پر مجھے کوئی عقلی دلیل دیں؟

جواب: شیخ طوسی اپنی کتاب "الغیبہ" اور کچھ دوسرے علماء اپنی تصانیف میں کہتے ہیں کہ بعض دشمنان اہلبیتؑ کا امام زمانہ علیہ السلام سے ڈرنا ہی ان کے وجود پر عقلی دلیل ہے۔ پس وہ عقلی دلیل نہیں چاہتے۔ ہم نے جب بہت سی متواتر روایات کو ذکر کیا تو پھر وہ عقلی دلیل مانگنا شروع ہو گئے ہمارے علماء نے عقلی دلیل بھی دی ہے اور اس بات کو حجت و دلیل سے بھی ثابت کیا ہے کہ زمین لوگوں پر اللہ کی حجت سے خالی نہیں رہ سکتی اور یہ امام زمانہ کے زمین پہ موجود ہونے کی بہترین واحسن دلیل ہے۔

سوال۱۰ :جب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کی زیارت کرنا ممکن ہے تو کیا آپ کسی ایسے آدمی سے ملے ہیں یا کسی ایسے آدمی کے بارے میں سن رکھا ہے جو اپنی زندگی میں امام علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا ہو؟

جواب: ہم نے گزشتہ دو جلسوں میں یہ بیان کیا تھا کہ امام علیہ السلام کے اسم مبارک کے تذکرہ سے بھی منع کیا گیا ہے چہ جائیکہ امام علیہ السلام سے ملاقات کا تذکرہ کیا جائے، اور جس شخص کو امام علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے، اس کے لیے امام علیہ السلام کی اجازت کے بغیر کسی سے بھی اس ملاقات کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے، اور میں بہت سے ایسے لوگوں کے بارے میں سن رکھا ہے جن کو یہ شرف حاصل ہوا ہے، بلکہ شاید میں دوسرے افراد کی نسبت زیادہ ہی ایسے خوش نصیبوں کو جانتا ہوں لیکن ان کو مشہور کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال ۱۱ : روایات میں ہے کہ امام الحجۃ عجل اللہ فرجہ امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے انتقام لیں گے پس یہ قاتلانِ حسین علیہ السلام زمانہ ظہور میں کہاں ہوں گے ؟

جواب: رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص کسی کے فعل پر راضی ہو یا فعل کرنے والے کے کردار کو پسند کرے، خداوندعالم اس شخص کو اس فعل کے کرنے والے کے ساتھ محشور کرے گا۔ اسی بناء پر قرآن میں ان یہودیوں کو جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے سابقہ نبیوں کا قاتل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ یہودی اُن یہودیوں کے قول و فعل پر راضی تھے جنھوں نے سابقہ انبیاء کو قتل کیا تھا۔ اسی طرح وہ لوگ جو قاتلانِ امام حسین علیہ السلام کے کردار و فعل پر راضی ہوں گے ان کو قاتلانِ امام حسین میں شمار کیا جائے گا، پس ان کو امام زمانہ علیہ السلام کے حکم سے واصل جہنم کر دیا جائے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ قاتلان امام حسین علیہ السلام کو دوبارہ رجعت کے ذریعے زندہ کر کے قتل کریں۔

سوال ۱۲ :احادیث میں وارد ہوا ہے کہ امام منتظر عجل اللہ فرجہ شریف اُس سال ظہور فرمائیں گے جو سال گنتی کے اعتبار طاق ہو گا اس کے علاوہ اس قسم کی اور بھی بہت سی پیشین گوئیاں احادیث میں موجود ہیں کیا اس سے ظہور کے وقت کی تعیین نہیں ہوتی؟

جواب: نہیں اس سے ظہور امام علیہ السلام کے وقت کی تعیین نہیں ہوتی بلکہ یہ قول بھی انہی احادیث کی مانند ہے، جن میں کہا گیا ہے کہ امام عجل اللہ فرجہ شریف آخری زمانے میں ظہور فرمائیں گے۔ ظہور کے وقت کی تعیین تو تب ہوتی اگر وہاں بتایا جاتا کہ امام عجل اللہ فرجہ شریف فلاں سال کے فلاں مہینے میں فلاں دن ظہور فرمائیں گے۔

سوال ۱۳ : یہ جو روایات آپ نے ذکر کی ہیں کیا یہ سنّی حضرات کی کتابوں میں بھی موجود ہیں مثلاً صحاح ستہ وغیرہ اور اگر موجود ہیں تو کیا وہ ان روایات کو تسلیم نہیں کرتے یا کوئی تردد نہیں ہے ؟

جواب: سنی حضرات کی کتابوں میں جو روایات ہیں ان میں اکثر اسی معنٰی کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام آخری زمانہ میں ظہور فرمائیں گے (یعنی وہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے کیونکہ ظاہر وہی ہوتا ہے جو پہلے سے موجود ہو)البتہ صراحتاً امام علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں روایات ان کی کتابوں میں نسبتاً کم ہیں۔ (اس سوال کے تفصیلی جواب کے لیے اس کتاب کے صفحہ ۱۲۲تا۱۳۰ملاحظہ کریں)

سوال ۱۴ : کہا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد اصحابِ بدر کے برابر ہو گی کیا یہ تعداد ان کے لشکر کے قائدین کی ہے یا امام علیہ السلام کے کل ساتھیوں کی تعداد اتنی ہو گی ؟

جواب: میں نہیں سمجھتا کہ امام علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد فقط تین سو تیرہ ہو کیونکہ یہ بات عقل قبول نہیں کرتی ،جبکہ ہم جانتے ہیں کہ امام علیہ السلام پوری زمین کو قوت اور تلوار کے ذریعے عدل وانصاف سے پُر کر دیں گے ،ہو سکتا ہے کہ یہ تین سو تیرہ افراد ،امام علیہ السلام کی فوج کے جرنیل یا قائد ہوں یا جیسا کہ جدید تعبیر کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ یہ تین سو تیرہ افراد امام علیہ السلام کی پارلیمنٹ میں شامل ہوں گے۔

سوال ۱۵ : امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی والدہ ماجدہ کا نام اور شجرہ نسب کیا ہے ؟

جواب: ان کے بہت سے نام روایات میں موجود ہیں مثلاً نرجس، صیقل، حکیمہ سلام اللہ علیہا اور اس کے علاوہ بھی بہت سے نام مذکور ہیں۔ ان کا نسب مبارک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک کے ساتھ ملتا ہے۔ جناب نرجس خاتون سلام اللہ علیہا پہلے ایک کافر ملک میں رہتی تھیں، امام علیہ السلام نے انہیں بشارت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا پھر وہاں سے اسلامی مملکت کی طرف ہجرت کر آئیں یہ ایک طویل روایت ہے جو کہ کتابوں میں مذکور ہے۔

سوال۱۶ : کیاامام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے یہ تین سو تیرہ اصحاب اپنی صفات اور اپنے اجتماعی مراکز کے ذریعے پہچانے جائیں گے ؟

جواب: ہم اس بات کا اندازہ نہیں لگاسکتے، البتہ ہاں وہ تمام متقی، پرہیز گار، باعظمت اور امام علیہ السلام کے حقیقی فرمانبردار ہوں گے، یہ ایسی صفات ہیں جو ان سب میں ہوں گی البتہ اس کے علاوہ روایات میں کسی چیز کا ذکر نہیں ہے۔

سوال۱۷ : کیاامام علیہ السلام کے انصار کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے ؟

جواب: نہیں ان کے لیے مجتہد ہونا شرط نہیں ہے، فقط ان کے لیے متقی و پرہیز گار، بافہم، دلیر، بہادر اور فرمانبردار ہونا شرط ہے۔

سوال۱۸ : بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے ظہور کو قریب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ زمین میں فتنہ وفساد اور ظلم کو پھیلائیں تا کہ ہم امام علیہ السلام کے ظہور میں مدد کر سکیں۔ کیا یہ رائے صحیح ہے ؟

جواب: یہ شیطان کی چالوں میں سے ایک چال ہے اللہ تعالیٰ فساد اور اس کے پھیلانے والوں سے نفرت کرتا ہے۔ جب امام علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو فساد کرنے والوں کی گردنیں اُڑادیں گے اور یہ لوگ بغیر کسی حساب کے جہنم میں چلے جائیں گے۔

سوال۱۹ : ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ امام زمانہ علیہ السلام کی حکومت کے اثبات اور ظہور کی علامات کے حوالے سے ایک اور جلسے کا اہتمام فرمائیں؟

جواب: امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور کی علامات دو قسم کی ہیں ان میں سے جو غیر حتمی علامات ہیں وہ اکثر ظاہر ہو چکی ہیں۔ پس ان میں بحث کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہے، البتہ جو علامات ظاہر نہیں ہوئیں (یعنی حتمی علامات) تو وہ بہت ہی کم ہیں، اور کتب میں مذکور ہیں مثلاً کتاب (اکمال الدین واتمام النعمہ) اور شیخ طوسیؒ نے بھی اپنی کتابوں میں ان کا ذکر

کیاہے اسی طرح کتاب الامالی میں بھی یہ علامات ذکر ہوئی ہیں اس کے لیے ایک اور جلسہ منعقد کرنے کی ضرورت نہیں، اور یہ علامات تکوینیہ ہیں جن کا اندازہ یا تخیّل کرنا ہمارے لیے ناممکن ہے اور ان علامات کے ظاہر ہونے کا وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

سوال ۲۰ : کیا یہ درست ہے کہ کچھ ایسی روایات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ امام علیہ السلام کو ایک عورت شہید کرے گی ؟

جواب: ہاں ایک ایسی روایت موجود ہے لیکن اس کی سند ثابت نہیں ہے تھوڑی دیر پہلے میں نے برادران کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ وہ روایات جن میں بیان کیا گیا ہے کہ امام علیہ السلام ظہور کے بعد کیا کیا کام کریں گے، یہ روایات مختلف قسم کی ہیں اور ان کی سند کو ثابت کرنا مشکل ہے۔ امام علیہ السلام کے ظہور کے بعد کیا کیا واقعات رونما ہوں گے، ان میں سے کسی بھی چیز کے بارے میں تفصیلی طور پر یقین کرنا ناممکن ہے پس یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی حکومت ایک حقیقی اسلامی حکومت ہوگی جس میں کوئی بھی مومن خوف زدہ نہیں ہوگا۔

سوال ۲۱ : وہ مرتبہ جس پہ پہنچنے والوں کو ابدال کہا جاتا ہے اس مرتبہ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: تقویٰ کے علاوہ اس کا کوئی راستہ نہیں ہے اور اس کو کسی شریف النفس اور صاحب فہم عالم کی رہنمائی اور ہدایت سے مکمل کیا جائے تا کہ وہ عالم انسان کو تقویٰ کے التزام کی طرف رہنمائی کرے اور اس کو بتائے کہ وہ کیسے اپنے نفس کو پاک و پاکیزہ کر سکتا ہے یہ ساری چیزیں کوشش، علم، عمل اور تدبر کی محتاج ہیں۔

سوال ۲۲ :ولایت کی تشریح کرتے ہوئے امام علیہ السلام کی ولایت تکوینیہ کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں؟

جواب: ولایت تکوینیہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو اکثر لوگوں کے درمیان محل بحث رہتی ہے ولایت تشریعیہ سے مراد شرعی احکام اور قوانین کا بنانا اور لوگوں تک ان کا پہچانا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس دین اور اس کے احکام کو نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام کے ذریعے لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور ان کی وضاحت اور تشریح کر دی ہے۔

اگر کسی امام کے لیے ظاہری سلطنت و حکومت بنانا ممکن ہو جائے تو امام بعض احکام اور قوانین بنائیں گے، مثال کے طور پر ٹریفک وغیرہ کے قوانین یا پولیس اور امن وامان کے حوالے سے قواعد وضوابط یا پھر مختلف قسم کی جاسوسی ایجنسیوں کے لیے قوانین مرتب کریں گے، اور اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے کاموں کے لیے بھی قوانین جاری کریں گے، اس قسم کے تمام قوانین وضوبط بنانا امام علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے، یعنی ایسے قوانین بنانے کا امام علیہ السلام کو اختیار حاصل ہے اور یہی ولایت عامہ ہے جو اسلامی حکومت کے لیے ضروری ہے۔

باقی رہا ولایت تکوینیہ تو وہ اللہ کے علاوہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک کا موت وحیات یا اس قسم کے دوسرے امور میں تصرف کرنا ہے، لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب امور کو معصومین کے حوالے کر دیا ہے، اور سب کچھ معصومین علیہم السلام اپنی مرضی اور اختیار سے کرتے ہیں، بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا کفر اور شرک ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی معنیٰ کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:۔

کل یوم ھو فی شان (سورہ رحمٰن آیت ۲۹)

اور اس قسم کی سوچ اور عقیدہ کو یہودیوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ (سورۃ المائدہ آیت ۶۴)

پس ولایت تکوینیہ سے مراد یہ ہے کہ معصومین علیہم السلام امور تکوینیہ (مثلاً موت وحیات وغیرہ) کو سرانجام دے سکتے ہیں لیکن وہ فقط اور فقط بطور معجزہ کے ایسے امور سرانجام دیتے ہیں اور یہ عقیدہ مذہب جعفریہ کے بنیادی اور مرکزی عقائد میں سے ایک ہے۔

والحمد للہ ربّ العالمین

سوالات وجوابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادارہ "مرکز الدراسات التخصصیۃ فی الامام المہدی ں" کی جانب سے سماحۃ آیت اللہ العظمٰی الشیخ بشیر حسین النجفی (دام ظلہ الوارف) کی خدمت میں تحریری طور پر پیش کئے گئے سوالات اور ان کے جوابات

سوال ۱: (ا) انتظارِ مہدی علیہ السلام کا مفہوم واضح کریں؟

(ب)۔ ان موجودہ مشکل ترین حالات کے دوران انتظار کرنے والا کبھی کبھی سوچتا ہے کہ انتظار کا جو مفہوم بیان کیا جاتا ہے یا جس طریقہ سے ہم انتظار کرتے ہیں وہ درست نہیں ہے اور انتظار کا جو حقیقی مفہوم ہے اُسے ہم پریکٹیکل طور پر نہیں سمجھ پائے لہٰذا انتظار کا وہ مفہوم جو مقتضیاتِ اسلام کے پیشِ نظر منفی حیثیت رکھتا ہے یا جو اسلامی معیار کے مطابق مثبت حیثیت رکھتا ہے اُسے آئمہ علیہم السلام سے مروی روایات کی روشنی اور مسلمانوں کے عملی و نفسی حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر واضح کریں؟

جواب: انتظار (تنظر) سے ہے جس کا معنیٰ کسی شے کی امید رکھنا ہے اور ہمیں جس چیز کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے وہ امام مہدی علیہ السلام کی حکومتِ حق کا انتظار ہے جس کی امید حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک ہر شخص کے دل میں موجود ہے، روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حق کی حکومت ایک دن ضرور قائم ہو گی، کیونکہ اس حکومت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نیک بندوں سے کیا ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب ایک عادل بادشاہ کے پرچم تلے حق کی حکومت قائم ہو گی پس اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:۔

"ولقد کتبنا فی الذبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ان فی ھذا البلاغا لقوم عابدین" (سورہ انبیاء۔ آیت ۱۰۵ ۔۱۰۶)

ترجمہ: "ہم نے نصیحت (توریت) کے بعد یقیناً زبور میں لکھ ہی دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے، اس میں شک نہیں ہے کہ اس میں عبادت کرنے والوں کے لیے تبلیغ ہے"

اس موضوع کے حوالے سے چند امور کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

اول: امامؑ کی حکومتِ حق کا انتظار کرنا عقلی اور شرعی حوالے سے ضروری ہے۔

عقلی اعتبار سے انتظار: ہم جانتے ہیں کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ عقل انسان کو کسی کام کے کرنے پہ مجبور نہیں کرتی، لیکن اگر کوئی کام ایسا ہو جس کے ذریعے ایسی چیز کو حاصل کیا جا سکتا ہو، جس کی عقل خود تمنا اور رغبت رکھتی ہے تو عقل انسان کو اس کام کے کرنے پہ مجبور کرے گی، پس امام علیہ السلام کی حکومتِ حق کا انتظار اس حکومت کے لیے ایک ایسی اساسی بنیاد اور فکری و عملی پیش قدمی ہے جیسے کسی ضروری چیز کو حاصل کرنے کے لیے طاقت اور کوشش کرنا ہے۔

شرعی اعتبار سے انتظار: بہت سی روایات میں ہمیں حکومتِ حق کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے، جن کی تعداد حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے، بلکہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے امام علیہ السلام کی حکومتِ حق کا انتظار کرنا اُس زمانے میں افضل ترین عمل ہے، جب زمین سے حق غائب ہو جائے گا، زمین کا سارا نظام سرکشوں کے ہاتھ آ جائے گا اور ان کا جیسے جی چاہے گا اور جس طرح ان کی ہوا و ہوس ان کو کہے گی وہ صالحین بلکہ ہر قوم اور اس کے مقدر سے کھیلتے پھریں گے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث مروی ہے جس کے ضمن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "انتظار الفرج عبادۃ" یعنی امام علیہ

السلام کی حکومتِ حق کا انتظار کرنا عبادت ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ " امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرنا ہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے "

امام علی ابن الحسین زین العابدین علیہما السلام فرماتے ہیں:۔

ان اہل الزمان غیبۃ (الامام المنتظر) القائلون بامامتہ المنتظرون لظہورہ افضل اہل کل زمان لان اللہ تعالی ذکرہ اعطاہم من العقول والافہام والمعرفۃ ماصارت بہ الغیبۃ عندہم بمنزلۃ المشاہدۃ جعلہم فی ذلک زمان بمنزلۃ المجاہدین بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بالسیف اُولءِک المخلصون حقاوشیعتنا صدقاوالدعاۃ الی دین اللہ سِراوجہرا(قال علیہ السلام) انتظار الفرج من اعظم الفرج۔

ترجمہ: وہ لوگ جو امام المنتظر عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی غیبت کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں، امام المنتظر علیہ السلام کی امامت کے قائل بھی ہیں، اور ان کے ظہور کا انتظار بھی کرتے ہیں، وہ لوگ تمام زمانوں کے لوگوں سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے ان کو ایسی یاداشت، قوتِ عقل، فکر و فہم اور الٰہی معرفت عطا کی ہے، جس کی وجہ سے امام علیہ السلام کے غائب ہونے کے باوجود ان کا امام علیہ السلام کے بارے میں ایمان ایسا ہی ہے، جیسے وہ امام علیہ السلام کو دیکھ رہے ہوں، اللہ تعالی نے ان لوگوں کو اس زمانے میں اُن مجاہدین کا درجہ عطا کیا ہے، جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ مل کر تلوار کے ساتھ جہاد کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی مخلص، ہمارے سچے شیعہ اور اللہ کے دین کی ظاہر بظاہر اور چھپ کر دعوت دینے والے ہیں (پھر امام علیہ السلام فرماتے ہیں) امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار ہی سب سے بڑی کشائش ہے۔

امام علی علیہ السلام سے ایک روایت مروی ہے جس میں فرماتے ہیں " انتظروا الفرج ولا تیأسوا من رَوح اللہ وان احب الاعمال الی اللہ عزّ وجلّ انتظار الفرج "

ترجمہ: "امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرنا ہے "

امام ابو جعفر (امام محمد باقر) علیہما السلام اپنے جدِ امجد حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارے میں نقل فرماتے ہیں: "قال "اللہم لقنی اخوتی" مرتین فقال من حولہ من اصحابہ اما نحن اخوانک یا رسول اللہ؟ فقال۔۔۔لا، انکم اصحابی واخوانی قوم فی اخر الزمان امنوبی ولم یرونی لقد عرفنیہم اللہ باسماءہم واسماء اباءہم ۔۔۔افضل العبادۃ انتظار الفرج"

ترجمہ: "امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دو مرتبہ کہا "اللہم لقنی اخوتی" یعنی اے میرے اللہ مجھے میرے بھائیوں سے ملوا، تو قریب بیٹھے ہوئے ان کے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ تم میرے بھائی نہیں ہو، بلکہ تم میرے صحابی ہو میرے بھائی آخری زمانے کے وہ لوگ ہیں، جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا لیکن پھر بھی مجھ پہ ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالی نے مجھے ان کے اور ان کے والدین کے ناموں سے آگاہ کیا ہے "

پھر آخر میں امام باقر علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:۔

''سب سے افضل ترین عبادت امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کا انتظار ہے''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت وارد ہوئی ہے:۔

''من مات علی ہذا الامر منتظر الہ ہو بمنزلۃ من کان مع الامام القائمؑ فی فسطاطہ۔۔ثم سکت ھنیءۃ ثم قال۔۔ہو کمن کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم''

ترجمہ: ''جو شخص امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کا انتظار کرتے کرتے مر جائے اس کا مقام اُس شخص کی مانند ہے جو امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ ان کے خیمہ میں ہو۔۔اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا۔۔اس شخص کا مقام ایسے ہے جیسے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ہو''

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے آباواجداد سے اور وہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:۔

''افضل اعمال امتی انتظار الفرج من اللہ عزوجلّ''

ترجمہ: ''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمت کا سب سے افضل عمل اللہ کے حکم سے امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرنا ہے''

حضرت امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ ظہورِ امام مہدیؑ کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے تو امام رضا علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

''الیس انتظار الفرج من الفرج''

ترجمہ: ''کیا آسودگی اور کشائش کے انتظار سے ظہورِ امام مہدیؑ کا مفہوم واضح نہیں ہے؟'' (یعنی مومنین کو راحت اور سکون فقط اسی وقت حاصل ہو گا جب امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اسی وجہ سے مومنین ہر وقت امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرتے ہیں تا کہ اس تنگی اور سختی سے نجات مل سکے)

تقریباً ستر سے زیادہ روایات ایسی ہیں جو اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ ظہورِ امام علیہ السلام کا انتظار واجب ہے۔

دوّم: جس طرح ایک اہم چیز کا انتظار اس کی اہمیت کے سبب اس متوقع چیز کے لیے انسان کو تیار کرتا ہے اور اس کے لیے مستعد رہنے اور ضروری وسائل مہیا کرنے کی طرف رغبت دلاتا ہے، اسی طرح اس متوقع چیز کے دشمن سے آسودگی اور راحت کو بھی سلب کرلیتا ہے اور اس کو ہمیشہ کے لیے خوف و حراس میں مبتلا کر دیتا ہے۔

تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح سے یہ طاغوتی طاقتیں امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کے وجود اور ولادت باسعادت سے ڈرا کرتی تھیں، بالکل اسی طرح جیسے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ڈرتا تھا، یہاں تک کہ اس نے نہ جانے کتنے ہی بچے فقط اس لیے ذبح کروادیئے تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آمد کو روکا جاسکے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور حفاظت ہوئی (کیونکہ اللہ تعالی کو اس کے کاموں سے کوئی نہیں روک سکتا وہ جو چاہتا ہے کر دیکھاتا ہے) اسی طرح بنوعباس اور اس سے پہلے بنواُمیہ نے بھی دنیا کے لالچ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسل اور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی، کیونکہ وہ عدل وانصاف اور حکومتِ حق کی آمد سے ڈرتے تھے اور جانتے تھے کہ حق کی حکومت آجانے کے بعد ان کا کیا حشر ہو گا، غیبت صغریٰ اور اس کے قریبی ایام بنوعباس کے لیے انتہائی دشوار اور وحشت ناک

تھے، پس وہ امام المنتظر علیہ السلام اور ان کے نمائندوں کو جگہ جگہ ڈھونڈتے پھرتے تھے، اور ہر اس شخص کی تلاش میں رہتے تھے جس کے ذریعے امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کے ٹھکانے کا پتہ چل سکے، بنوعباس اور اس کے کارندے کسی سے بھی کوئی ایسا لفظ سن لیتے جس سے اس کا امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت پر ایمان ظاہر ہو تو اسے فوراً قتل کر دیتے۔

پس امام المنتظر علیہ السلام اور حق کے دشمنوں سے ان کا اطمینان چھن جانا، ان کا ہر وقت بے چین اور مضطرب رہنا اور اندھی اُونٹنی کی طرح ہاتھ پیر مارنا(یعنی بغیر سوچ و سمجھ اور بیوقوفوں کی طرح کام کرنا) انتظار کے فوائد میں سے ایک بہت بڑا اور اہم فائدہ ہے۔

سوئم: اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومتِ حق کا قیام ظلم و ستم اور فتنہ وفساد کے خاتمے سے ہی ہو سکتا ہے، اور طاغوت اور ظلم وجور کے بنائے ہوئے محلات کو گرانے کے بعد اسی جگہ عدل وانصاف کے قلعوں کو اسی وقت قائم کیا جا سکتا ہے، جب انسان اس کے لیے نفسیاتی طور پر تیار ہو اور اس نظام حق کو تہہ دل سے قبول کرے، پس اگر اس قسم کی حکومت حاصل ہو بھی جائے، لیکن لوگ اس حکومتِ حق کو قبول کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار نہ ہوں اور ان کی پریشان حال عقول اور منحرف شدہ افکار کی اصلاح نہ ہو تو انسان اکثر اوقات باطل کو حق سمجھے گا اور حق کو باطل، اسی طرح وہ جسم جو دنیا کی محبت کے عادی ہو چکے ہیں وہ آنکھیں جو دنیاوی زندگی کی خوبصورتی اور دلفریبی سے متاثر ہو کر دھوکہ کھا چکی ہیں، وہ کیسے حکومتِ حق کو قبول کریں گی۔

پس اگر اس حالت میں حکومتِ حق قائم کی جائے تو اس حکومت کا بھی وہی انجام ہو گا، جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہاالسلام اور حضرت حسن علیہ السلام کی ظاہری حکومت کا ہوا تھا کیونکہ ان کی حکومت کے لیے مکمل طور پر طبعی وسائل فراہم نہ ہو سکے تھے، اور لوگ بھی اس حکومتِ حق اور عادل بادشاہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے، اس کی وجہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد پھیلنے والی ظلمتوں اور جہالتوں کی وہ سیاہی تھی، جس سے رسول اکرمؐ کی عادلانہ حکومت کے نقوش ان کے ذھنوں سے مٹ چکے تھے اور اس تیئس سالہ عرصہ میں نیک دل لوگ یا تو رحلت کر گئے یا پھر ظلم وستم کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے، اور ہم اس وقت جن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں یہ بھی انہی حالات کے مشابہ ہیں، پس دین اور عدل وانصاف سے محبت کے ذریعے اپنے نفوس کی اصلاح کرنا اور ظلم وفتنہ وفساد اور بے انصافی سے نفرت کرنا انتہائی ضروری ہے تاکہ ہمارے نفوس اور دل حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو سکیں۔

چہارم: نفوس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ بیرونی ماحول اور حالات کا ایسا ہونا ضروری ہے، جس میں حکومتِ حق کا قیام ہو سکے اور ایسا ماحول بنانے کے لیے واجب ہے کہ حق کی زیادہ سے زیادہ نشر واشاعت کی جائے، اور نصرتِ دین کے لیے لوگوں کو ترغیب دی جائے تاکہ ان میں حق اور دین کی مدد کی صلاحیت پیدا ہو سکے، مسلمانوں کو حق کی طرف توجہ اور اس کا شعور دلایا جائے اور پھر اسی طرح غیر مسلم افراد میں بھی شعورِ حق پیدا کیا جائے تاکہ وہ لوگ جن میں ہدایت یافتہ ہونے کی صلاحیت ہے انہیں اپنا ہم خیال اور اپنے حلقہ احباب میں لایا جا سکے، پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عقلی، شرعی اور اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انتہائی اہمیت رکھتا ہے، پس اگر حق کی مدد کرنے والے افراد کی ایک مناسب تعداد موجود نہ ہو، لوگوں میں حق کے نفاذ اور

اس کے فوائد کا شعور نہ پایا جائے اور نہ ہی لوگوں میں وہ استعداد ہو، جس سے وہ ایک عادلانہ حکومت کو قبول کر سکیں تو اس قسم کی حکومت کے قیام کی ابتداء کرنا مناسب نہیں ہو گا اور ایسے حالات میں حکومتِ حق کے قیام میں جلدی کرنے سے اس کے نہایت بھیانک نتائج بر آمد ہوں گے اور بہت بڑے بڑے اہم مقاصد حاصل ہونے سے رہ جائیں گے۔

پنجم: دشمنانِ حق اور حق کی مخالفت و مقابلہ کرنے والوں پر اتمام حجت کر دینا واجب ہے کیونکہ حکومتِ حق ان کا محاسبہ کرے گی، اور عدل و انصاف کے نافذ کرتے وقت جب ظالموں، دھوکہ بازوں، غاصبوں اور فاسقوں کا محاسبہ کیا جائے گا، اور ان کو سزا دی جائے گی تو اس وقت ان کا حق کی طرف لوٹنا ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا، اور اس بات کی طرف قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسے سورہ انعام (آیت ۱۵۸) میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ھل ینظرون الا ان تاتیھم الملائکۃ او یاتی ربک او یاتی بعض آیات ربک یوم یاتی بعض اٰیات ربک لاینفع نفسا ایمانھا لم تکن امنت من قبل او کسبت فی ایمانھا خیرا قل انتظروا انا منتظرون۔۔۔"

ترجمہ: اب کیا وہ اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تمہارا پروردگار خود آئے یا تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں آئیں، جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں آ جائیں گی (تو اس دن) کسی نفس کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا، جب تک وہ پہلے سے ایمان نہ لے آیا ہو یا ایمان کی حالت میں نیکی نہ کر چکا ہو تم کہہ دو کہ تم انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں"

اسی طرح سورہ اعراف (آیت ۷۱) میں اس معنی اور باطل پرستوں کی ان بوسیدہ دلیلوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو وہ حق کی مخالفت اور دشمنی میں پیش کرتے ہیں پس قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"قال قد وقع علیکم من ربکم رجس وغضب اتجادلوننی فی اسماء سمیتموھا انتم واباؤکم ما نزل اللہ بھا من سلطان فانتظروا انی معکم من المنتظرین"

ترجمہ: "تمہارے اوپر پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب تو آ چکا ہے کیا تم مجھ سے ایسی چیزوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جس کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود سے نامزد کر لیا اور اللہ تعالی نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں کی لہٰذا تم عذاب کے منتظر رہو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں"

سورہ یونس (آیت ۲۰) میں باطل پرستوں کے انجام اور مواخذے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ جہالت، سرکشی یا تمسخر کی بنا پر ایمان نہیں لائے، پس قرآن فرماتا ہے:۔

"ویقولون لولا انزل علیہ اٰیۃ من ربہ فقل انما الغیب للہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین"

ترجمہ: اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے رب نے اس پر کوئی نشانی نازل نہ کی تم یہ کہہ دو غائب کا مالک تو خدا ہی ہے پس تم بھی منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں"

اس معنی کی طرف سورہ یونس (آیت ۱۰۲) میں پھر اشارہ ہوتا ہے:۔

"فھل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلو من قبلھم قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین"

ترجمہ: "پھر کیا وہ ایسے دنوں کے منتظر ہیں جیسا کہ ان سے پہلے گزرے ہیں تم کہہ دو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں"

سورہ ھود (آیت ۱۲۱، ۱۲۲) میں اللہ تعالی فرماتا ہے:۔

"اعملوا علی مکانتکم انا عاملون وانتظروا انا منتظرون"

ترجمہ:" (ان سے کہہ دو) تم اپنی جگہ جو جی چاہے کام کرتے رہو ہم بھی کچھ کرتے رہتے ہیں اور تم انتظار کرتے رہو ہم بھی انتظار کرتے ہیں"

ان آیات میں واضح طور پر دشمنانِ حق کو ڈرایا گیا ہے تا کہ ان سے سکون و آرام چھین لیا جائے اور وہ ظلم و ستم سے حاصل شدہ زندگانی کو عیش و عشرت کے ساتھ بسر نہ کر سکیں اور ان کی یہ زندگیاں جو انہوں نے مظلومین پر ظلم کر کے اور ان کے حقوق پامال کرتے ہوئے گزاری ہیں ان کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گی، اور ان آیات سے مظلوم اور محروم لوگوں کے دلوں میں نجات کی کرن اور ظلم سے چھٹکارے کی اُمید پیدا ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں ظلم کرنے والوں سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، کیونکہ ان آیات میں انتقام کی بشارت کے ذریعے محرومین اور مظلومین کو ایک اُمید و آس دی گئی ہے۔

گزشتہ گفتگو کا خلاصہ

مفہومِ انتظار جہاں نیک بندوں کے لیے اُمید اور انہیں سیدھے راستے پہ گامزن رہنے کی ترغیب پر مشتمل ہے وہاں انتظار ظالموں کے لیے نصیحت اور تنبیہ کا مفہوم بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور یہ انتظار ہی ہے جو مخلصین میں فداکاری اور قربانی کے جذبے کو فروغ دیتا ہے اور گمراہ اور بھٹکے ہوئے افراد کو ہدایت اور حق کی دعوت دیتا ہے اسی طرح انتظار ہی کی بدولت مومنین اپنے آپ کو اس دن کے لیے مستعد اور تیار رکھتے ہیں جس دن اللہ تعالی امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کے ذریعے حق کو ظاہر اور باطل کو ختم کر دے گا۔

سوال نمبر ۲: کیا انتظار کا مقصد اس زمانہ (حالتِ انتظار) میں کچھ خاص دینی و عبادتی اعمال اور مخصوص دینی رسوم کا انجام دینا ہے، یا یہ اپنے نظریہ، موقف اور منصوبے کی فکری و عملی تحریک ہے؟

جواب: عقلی اور شرعی اعتبار سے انتظار کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان گوشہ نشینی کی حالت میں مولا کا منتظر رہے اور جو کچھ بھی ارد گرد ہو رہا ہے اسے خاموش تماشائی کی طرح دیکھتا رہے، پس یہ فسق و فساد اور ظلم جو اس دنیا میں موجود ہے اور جس نے تمام انسانوں اور خصوصاً مومنین کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے، اس پہ خاموش رہنا اور اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں بے بس اور عاجز سمجھنا یا پھر وہ لوگ جو اپنے آپ کو دیندار سمجھتے ہیں، ان کا بغیر کسی موقع محل کے اپنے اوپر جمود طاری کر لینا اور دنیا کی ظاہری خوبصورتی اور دلفریبی سے دھوکہ کھا کر واجب (یعنی نہی عن المنکر) کی ادائیگی سے منہ پھیر لینا اس

شخص کا کام ہے جس کے بس میں کچھ بھی نہ ہو یا پھر اس نے اُن خواہشاتِ نفسانی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے خود ہی اپنے آپ کو عاجز اور بے بس کر لیا ہو، جن سے حاصل ہونے والی لذتیں فانی اور فوری ختم ہونے والی ہیں اور اس طرح انسان سستی، کاہلی اور خواب غفلت کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور یہی چیز اسے ہوا و ہوس کا غلام بنا دیتی ہے بلکہ وہ ہر ظالم، جابر اور سرکش کی ہوا و ہوس کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ انسان عبد الشیطان یعنی شیطان کا بندہ بن جاتا ہے اور اسی بات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ذریعے منع فرمایا ہے (لا تعبد الشیطان) یعنی تم شیطان کی بندگی مت کرو۔

روایات کی رو سے انتظار کا معنی اور مفہوم حرکت و تحریک ہے، یعنی انسان پہلے تو خود امام علیہ السلام کے استقبال اور ان کی مدد کے لیے ہمیشہ تیار رہے اور اس کے بعد اپنے اِرد گرد رہنے والے افراد مثلاً اس کے اہلِ خانہ، خاندان، قبیلے، قوم اور اسی طرح جہاں تک ممکن ہو سکے لوگوں کو اس دینی انقلاب کے نور کو پھیلانے کے لیے تیار کرے تاکہ انقلاب کا حکم آنے پر فوراً انقلاب برپا ہو سکے، ہمارے لیے یہ جاننا واجب ہے کہ اس راستہ میں سب سے پہلے جو چیز درکار ہے وہ اصلاحِ نفس ہے اور نفس کی اصلاح مختلف مراحل سے گزر کر مکمل ہوتی ہے جن میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا اور نیکیوں سے خود کو آراستہ کرنا شامل ہے۔

اصلاحِ نفس کے بعد ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جس میں وہ اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے گناہ سے پاک کر کے اور اصلاحِ نفس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اس کے لیے کھل جائیں اور اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے کہ جونہی امام علیہ السلام کوئی حکم صادر فرمائیں وہ فوری طور پر اسے عملی جامہ پہنا دے۔

اس طرح انسان ایک ایسے مرحلہ میں پہنچ جاتا ہے کہ جس میں اس کی روح محبت، اطاعت اور خلوص کے جذبات سے اس طرح سرشار ہو جاتی ہے کہ اس کا وجود بلکہ اس کی تمام حرکات و سکنات حتیٰ کہ اس کے دل کی دھڑکن اور سانسوں کا اُتار چڑھاؤ تک شریعتِ مقدس اور امام علیہ السلام کی رضا اور مرضی کے تابع ہو جاتا ہے اور وہ ایک حقیقی مومن بن جاتا ہے، اس کا باطن ہر قسم کی بُری صفات مثلاً حسد، بزدلی، لالچ اور ہر اس خواہش سے پاک ہو جاتا ہے، جو دائرہ اسلام اور شریعتِ مقدس کے خلاف ہو اس کے بعد خود ہی انسان کے اندر کام کرنے کی صلاحیت اور جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سوائے اللہ تعالی کے، کسی کے سامنے نہیں جھکتا، وہ فقط اس چیز سے محبت کرتا ہے جسے اللہ تعالی پسند کرے، اور اسی سے نفرت کرتا ہے جس پہ اللہ تعالیٰ غضبناک ہو اور اسے ناپسند کرے، اس طرح وہ اپنے گھر اور خاندان والوں کے لیے بلکہ ہر اس شخص کے لیے جو اس کے قریب رہتا ہو، عملی طور پر ہادی و رہبر بن جاتا ہے، پس اس شخص کے ہر موقف اور نقطۂ نظر کی بنیاد مہدویت ہوتی ہے، وہ اپنی زبان، قول، عمل اور کردار کے ذریعے لوگوں کو حق کی دعوت دیتا ہے، اس طرح اس کا عمل حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت عمار ابن یاسرؓ کی مانند ہو جاتا ہے، جو اُس زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کی حکومت اور سلطنت کے لیے راستہ ہموار کرتے اور لوگوں کو تیار کرتے تھے جس وقت چند بدبختوں (کہ جنھوں نے دنیا کی دلفریبی سے دھوکہ کھا کر اپنی آخرت کو انتہائی ادنیٰ اور گھٹیا چیز کے مقابلے میں بیچ دیا) کے باہمی گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں حضرت امام علی علیہ السلام سے ان کی حکومت اور سلطنت چھین لی گئی۔

اس کے بعد جو مرحلہ آتا ہے اس میں جہاں تک بھی ممکن ہو سکے کلمۂ حق کو ہر ایک تک پہنچایا جائے اور امام علیہ السلام کے ظہور سے لوگوں کو متنبہ کر کے ان پہ اتمامِ حجت کی جائے اور ظالم و جابر حکمرانوں کو عوام کے درمیان رسوا اور بدنام کیا جائے، لوگوں کو ان حکمرانوں کی بے راہ روی اور جہالت سے آگاہ کیا

جائے اور ان لوگوں کو مطلع کیا جائے کہ وہ ان حکمرانوں کی وجہ سے کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔

پس زمانۂ غیبت میں انتظار کے دوران ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ ان شجاع جوانمردوں کی طرح ہو جائے جنھوں نے نور کے سنہری حروف سے انقلاب برپا کرنے والوں کے لیے راستہ ہموار کیا پھر اسے اپنے آنسوؤں سے مزین کیا اور اپنے پاکیزہ خون کے ذریعے اس راستہ میں چراغ روشن کیے تاکہ ہر طالبِ حق اور ہدایت چاہنے والے کے لیے یہ راستہ درخشاں اور واضح ہو جائے۔

جو دعائیں ہماری معتبر کتب میں موجود ہیں اور جن کو غیبتِ کبریٰ اور انتظار کے دوران ہمیشہ پڑھتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ دعائیں یہ درس نہیں دیتیں (جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں) کہ ظلم وجور کے مقابلے میں خاموش تماشائی بن کر گوشہ نشین ہو جائیں، بلکہ ان دعاؤں کا مقصد یہ ہے کہ بندہ مؤمن اپنے پرور دگار سے تعلق اور رابطہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرے تاکہ وہ ایک طرف تو اس کے ذریعے اپنے اور دوسرے مؤمنین کے لیے خداوند عالم سے مدد طلب کر سکے اور دوسری طرف انہی دعاؤں کے ذریعے طاغوت سے مقابلے اور اس کے خاتمے کے لیے خدا تعالیٰ سے نصرت حاصل کرے، اور یہی دعائیں انسانی، دینی و اخلاقی بے راہ روی اور ظلم وجور کے اندھیروں میں اس نور کی مانند ہیں جو ان اندھیروں میں راستہ کی نشان دہی کرتا ہے، جیسا کہ خود ان دعاؤں میں بھی اُس ظلمت اور انسانی انحراف کی طرف اشارہ موجود ہے جس میں ہم زمانۂ غیبت کے دوران رہ رہے ہیں، بلکہ ہم شیعوں کو یہ اضطراب اور ظلم و ستم کا اندھیرا اس وقت سے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے، جب حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ایک جگر خور کے بیٹے (معاویہ لعنۃ اللہ علیہ) کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

پس یہ دعائیں اپنے اندر وہ ولولہ اور جوش سموئے ہوئے ہیں جو ہمیں ہر برائی سے انکار کا شعور عطا کرتا ہے اور میدانِ عمل میں آکر زمین سے ظلم وفساد کو ختم کر دینے کی دعوت دیتا ہے، یہ دعائیں کوئی تقلیدی رسومات نہیں (جو بعض لوگوں کے قول کے مطابق) ہمیں فتنہ کے مقابلے میں اپنے اوپر جمود طاری کرنے اور گوشہ نشین ہونے کا حکم دیں اور اسی طرح کسی بھی مومن کو ان روایات کی غلط تفسیر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، جو روایات فتنہ وفساد سے دور رہنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً:

"کن فی الفتنۃ کابن اللبون۔۔۔۔۔۔الیٰ آخر"

ترجمہ: "فتنہ کے زمانہ میں اونٹ کے اس بچے کی مانند ہو جاؤ جس سے نہ دودھ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ اس پر بوجھ لادا جاسکتا ہے۔۔۔تا� آخر"

ایک اور جگہ معصوم فرماتے ہیں:

"الزم بیتک حتیٰ تسمع الصیحۃ۔۔۔الیٰ آخر"

ترجمہ: "اپنے گھر میں بیٹھے رہو تاکہ تم وہ آواز سن سکو جو حق ہے۔۔۔تا آخر"

یہ روایات ان معانی پر دلالت نہیں کرتیں جو بعض لوگ ان سے سمجھتے ہیں بلکہ ان روایات میں غور وفکر کرنے سے پتہ چلے گا کہ ان روایات میں دین کی خدمت اور لوگوں کی اصلاح کے لیے ان حالات کا لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جن حالات میں انسان اکثر گرفتار رہتا ہے، پس ہر عقلمند کے لیے ضروری ہے کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ان حالات کو مد نظر رکھے تاکہ یہ نہ ہو کہ بجائے اصلاح کے، فساد میں پڑ جائے کیونکہ ہر زمانے میں حالات کے کچھ تقاضے

ہوتے ہیں اور کچھ ممنوعات اور ضروریات ہوتی ہیں، جن کو ملحوظِ خاطر رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان ہمیشہ کے لیے گوشہ نشین ہو جائے، کیونکہ طاغوت اور شیطانی طاقتیں یہی چاہتی ہیں کہ یہ لوگ گوشہ نشین ہو جائیں تاکہ وہ جیسے چاہیں دنیا میں دندناتے پھریں۔

سوال نمبر ۳: آپ کی نظر میں ظہور کی علامات سے کیا مراد ہے؟ آیا ان کا مقصد فقط ڈرانا ہے؟ یا یہ علامات مومنین کے لیے بشارتیں ہیں؟ یا ان علامات میں مستقبل کا نقشہ کھینچا گیا ہے؟ یا پھر ان میں سے کوئی بھی مقصود نہیں بلکہ ان روایات میں فقط مستقبل کے بارے میں پیشگوئی اور احتمالات دیئے گئے ہیں؟

جواب: ظہور کی علامات منصوص اور ثابت شدہ ہیں، جو ہماری انتہائی معتبر اور قابلِ اعتماد کتب میں وارد ہوئی ہیں، یہ علاماتِ ظہور مندرجہ ذیل امور کا تقاضا کرتی ہیں۔

(۱)۔۔۔ ان علامات کا ظہور اپنے اندر ایسی اعلیٰ قسم کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے جس کے ذریعے آپ آنے والے اُن جدید واقعات اور حقائق کا سامنا کر سکیں، جن واقعات کی ابتداء حق کے ظہور اور انقلابِ مہدی علیہ السلام کی پہلی کرن سے ہو گی۔

(۲)۔۔۔ یہ علامات انسان کو اطمینان اور امید دلاتی ہیں کہ حق کا ظہور عنقریب ہونے والا ہے اور یہی چیز اسے اپنے ارادوں کو مضبوط کرنے میں مدد دیتی ہے اور انسان کے اندر بہت سی ایسی معنوی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔

(۳)۔۔۔ ظہور کی علامات انسان کو آنے والے جدید حالات کی طرف متنبہ کرتی ہیں اور جدید حالات و واقعات کا سامنا کرنے کے لیے عملی طور پر کام کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں، یہ علامات ہمیں آنے والے جدید مرحلہ کے لیے اپنے اندر استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

اسی طرح علاماتِ ظہور ہر اس شخص کو آنے والے نتائج سے ڈراتی اور باخبر کرتی ہیں جو خوابِ غفلت میں ہے یا وہ حقیقتِ مہدویت علیہ السلام سے جاہل ہونے کی وجہ سے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا، یہ علامات اس پوشیدہ غم، پریشانی، سکوت اور مایوسی کا مقابلہ کرنے میں مدد دیتی ہیں جو بعض اوقات طویل انتظار اور آزمائش کے اُس گہرے اندھیرے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، پس یہ علامات اس لمحہ کے قریب ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو لمحہ ہم سے اعلیٰ درجہ کی تیاری اور استعداد کا تقاضا کرتا ہے، ان علامات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ کوئی غیبی پیشگوئیاں ہیں جن کے ذریعے ظلم وجور کے مقابلے میں سکوت کو پسند کرنے والے لوگ اپنے موقف پہ زور دیتے پھریں اور اپنا نظریہ پر ان کو دلیل بناتے پھریں اور نہ ہی ان علامات کا مقصد یہ ہے کہ دنیاوی راحت و سکون کی خاطر ظہورِ حق کا انتظار کرنے والے ان علامات کے ذریعے اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دیتے پھریں۔

سوال نمبر ۴: ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اس طریقہ سے آگاہ کریں جس کے ذریعے ظہور کی علامات والی روایات کی سند کو پرکھا جا سکے، کیا ہم ان روایات کی سند کو پرکھنے کے لیے فراخ اور نرم رویہ اختیار کریں، یا انتہائی شدید اور سخت طریقہ کا استعمال کریں، یا پھر کوئی درمیانہ راستہ اختیار کریں جس کے ذریعے ان روایات کا عمومی دائرہ محفوظ رہ سکے؟

جواب: بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جن روایات کا تعلق تاریخ سے ہے اور ان میں حکمِ شرعی بھی مندرج اور متضمن نہیں ہے، ان روایات کی سند کے بارے میں جانچ پڑتال اور تحقیق کرنا ضروری نہیں خواہ یہ روایات گزشتہ زمانے میں رونما ہونے والے واقعات کو بیان کریں یا مستقبل قریب یا بعید میں متوقع واقعات کی خبر دیں، روایات اور احادیث کے بارے تحقیق اور جانچ پڑتال کرنے والوں کے نزدیک ان روایات کے قبول

کرنے کے لیے فقط یہی کافی ہے کہ یہ روایات کسی معتبر اور قابل اعتماد کتاب مثلاً الکافی وغیرہ میں ہوں اور علماء نے انہیں بیان کیا ہو۔

لیکن میں اس قاعدہ اور قانون کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ مضمونِ روایت میں کسی فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یا کسی خاصیت یا اس کے علاوہ کسی امر کو ایسے شخص کے ساتھ خاص قرار دیا جاتا ہے جس فعل یا خاصیت کا اس شخص کی طرف منسوب کرنا کسی جواز اور دلیل کے بغیر درست نہیں ہے، پس اس نسبت کا درست ہونا راوی کے قابلِ اعتماد ہونے پر منحصر ہوگا، ہاں البتہ اگر ایک ہی معین واقعہ کے بارے میں بہت زیادہ روایات موجود ہوں تو ان سے واقعہ کے بارے میں یقین اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اگر چہ ان تمام خصوصیات کی تحقیق ممکن نہ بھی ہو جو اس واقعہ کے ساتھ مربوط ہیں بہر حال یہ ایک اور مسئلہ ہے جس کا ہماری گفتگو کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہے، ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہو سکتا ہے کسی کو کہیں محققین کی گفتگو یا بیان سے یہ بات مل جائے کہ تاریخی واقعات اور قصوں کی سند کے بارے تحقیق اور جانچ پڑتال کرنا ضروری نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مضمونِ روایت کو تسلیم کر کے ان پہ عمل کیا جائے بلکہ محققین کے اس قاعدہ سے مراد وہ بات ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں (یعنی اگر کسی تاریخی قصہ کے بارے بہت زیادہ روایات وارد ہوئی ہوں تو وہاں تحقیق کی ضرورت نہیں) یا پھر محققین کے اس قاعدہ سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں تحقیق کرنے والوں کے لیے تاریخی اخبار اور واقعات کی سند کے بارے تحقیق کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ وہ افراد اور واسطے جن کے ذریعے یہ روایات اور اخبار ہم تک پہنچی ہیں ان کے بارے میں معلومات موجود نہیں تھیں۔

اس بارے میں ایک اور نظریہ بھی ہے جس کی طرف بعض افراد میلان رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جتنی بھی تاریخی اخبار اور روایات ہیں جن میں علاماتِ ظہور بھی شامل ہیں، تمام کو قاعدۃ التسامح فی ادلۃ السنن (۱) کے تحت درج کیا جائے، یعنی تاریخی روایات کو "مستحبات کی دلیلوں میں وسعت کے قاعدہ کلیہ"، کے تحت درج کر دیا جائے، لیکن ان روایات کا "قاعدۃ التسامح فی السنن" کے تحت درج کرنا درست نہیں ہے بلکہ یہ تو بغیر سوچے سمجھے ہر قسم کی روایات کو مخلوط کر دینے والی بات ہے کیونکہ اولاً تو اس قاعدہ کا صحیح ثابت ہونا مشکوک ہے بلکہ ہمارے نزدیک تو یہ قاعدہ ہی درست نہیں ہے اور ہم نے اصول الفقہ میں اس کے رد میں بہت سی ادلہ پیش کی ہیں۔

بہرحال اس قاعدہ سے مراد یہ ہے کہ جو بھی روایات مستحبات کے بارے میں آپ تک پہنچیں ان پر عمل کرنا باعثِ ثواب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص تک رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مروی روایت پہنچتی ہے کہ یہ عمل کرنے سے خدا تعالیٰ انسان کو ثواب عطا کرتا ہے پس وہ شخص ثواب کی امید سے وہ عمل بجالاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صدقے میں کرم کرتا ہے اور اطاعت اور ثواب کے شوق کی وجہ سے اسے اجر عطا کرتا ہے، بعض افراد نے اس قاعدہ کے تحت مکروہات کو بھی درج کیا ہے لیکن اس قاعدہ کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ تاریخی روایات کو بھی اس قاعدہ کے تحت درج کر دیا جائے اور بغیر کسی تحقیق کے قبول کیا جائے جیسا کہ اس قاعدہ کے مفہوم سے ہی یہ بات واضح ہے کہ تاریخی روایات کا اس قاعدہ اور قانون کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں ہے، بلکہ تاریخی روایات کو اس قاعدے کے تحت درج کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمان تاریخی روایات و واقعات کی بغیر کسی

---

(۱) مستحبات کی تعداد واجبات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور اسی طرح مستحبات پر دلالت کرنے والی روایات بھی واجبات پر دلالت کرنے والی روایات کی نسبت زیادہ ہیں اور ان تمام روایات میں تحقیق کرنا بہت مشکل اور مشقت طلب کام ہے لہٰذا مجتہد اپنی زیادہ تر صلاحیتوں کو واجبات کے استنباط اور ان کی دلیلوں میں چھان بین میں صرف کرتا ہے اور مستحبات کو روایات میں بغیر تحقیق کیے فقط اس بناء پہ ذکر کر دیتا ہے کہ ان مستحبات کو یا تو گزشتہ فقہاء نے ذکر کیا ہے یا پھر یہ مستحبات مختلف روایات اور اخبار میں وارد ہوئے ہیں چاہے ان اخبار اور روایات کی سند معتبر نہ بھی ہو کیونکہ ان مستحبات کو ثواب اور تعمیلِ حکم کی نیت سے بجالانا بہتر ہے اور ویسے بھی معصومین علیہم السلام سے منقول شدہ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ اگر کسی شخص کو کہیں سے پتہ چلے کہ معصوم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ فلاں کام کرنے سے اتنا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے اور وہ شخص اجر و ثواب کی خاطر وہ کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ اجر و ثواب عطا کرتا ہے اگرچہ اس کی سند درست نہ بھی ہو، پس مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر بعض فقہاء نے مستحبات کے استنباط میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ایک قاعدہ اور قانون بنایا جس کو (قاعدۃ التسامح فی السنن) کہا جاتا ہے، پس اس قاعدہ کے تحت بعض فقہاء روایات میں تحقیق کے بغیر مستحبات کو ذکر کر دیتے ہیں اور اسی طرح مکروہات کو بھی اسی قاعدہ کلیہ کے تحت بغیر سند کی جانچ پڑتال کے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ قاعدہ آیت اللہ العظمیٰ الشیخ بشیر حسین نجفی صاحب قبلہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ مترجم

ثبوت کے تصدیق کر دیں گے جو واقعات رونما ہو چکے ہیں یا آئندہ مستقبل میں رونما ہوں گے ،یعنی یہ اس چیز کی تصدیق ہو گی جو حقیقت میں موجود اور ثابت نہیں ہے اور اس طرح بغیر کسی تحقیق کے ہر واقعہ اور خبر کی تصدیق کرنے سے کبھی کبھاریوں بھی ہو گا کہ ہم اس تصدیق کے ذریعے مسلمانوں میں سے کسی پر بہتان باندھیں گے یا کسی کو طعن تشنیع کا نشانہ بنائیں گے۔

پس کہاں یہ قاعدہ جو مستحبات اور مکروہات میں جاری ہوتا ہے اور کہاں یہ تاریخی واقعات اور قصے ،اس وقت ہم مختصراً جتنی بھی روایات اور اخبار جو علامات ظہور پر مشتمل ہیں ان تمام کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

(۱) ۔۔۔کچھ ایسی روایات ہیں جن کی حجیت اور معتبر ہونے کو راویوں کے قابلِ اعتماد اور ثقہ ہونے کے ذریعے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

(۲)۔۔۔کچھ روایات ایسی ہیں جن کو خود خبر اور مضمونِ روایت کے معتبر اور ثقہ ہونے کے ذریعے ثابت کیا جا سکتا ہے اور یہی طریقہ عموماً استعمال کیا جاتا ہے ،ان دونوں طریقوں میں سے اکثر ایک ہی طریقہ کو اختیار کیا جاتا ہے پس تحقیق کرنے والا خبر کو معتبر اور باوثوق ثابت کرنے کے لیے یا تو اُن قرائن خارجی کا سہارا لیتا ہے جو اس خبر کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں یا پھر اس خبر میں موجود قرائن کی بنیاد پر خبر اور روایت کو ثابت کرتا ہے ،یعنی جن قرائن پر خود خبر مشتمل ہوتی ہے انہی کے ذریعے خبر کا صحیح ہونا ثابت کیا جاتا ہے یا اس کے علاوہ بعض دوسری روایات میں اگر ایسی چیزیں ہوں جن کی کڑیاں ہمارے پاس موجود روایت کے ساتھ ملتی ہوں تو تب بھی ان قرائن کے ذریعے خبر کو ثابت کیا سکتا ہے۔

اگر ہم مندرجہ بالا دو طریقوں میں سے کسی ایک کے ذریعے علاماتِ ظہور پر مشتمل روایات کی جانچ پڑتال کریں تو بہت ہی کم ایسی روایات باقی رہیں گی جو اس میزان پہ پوری آئیں لیکن ہم ان روایات کو ثابت کرنے کے لیے ان دونوں طریقوں کے علاوہ ایک اور طریقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی طریقہ کو علاماتِ ظہور ثابت کرنے کے لیے ترجیح دیتے ہیں ،اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ہم تمام علاماتِ ظہور والی روایات کو دیکھتے ہیں خصوصاً وہ علامات جن کے ظاہر ہونے کے بعد امام مہدی علیہ السلام حتماً ظہور فرمائیں گے ،ان حتمی علامات میں زمین کا دھنس جانا، آسمان وزمین کے درمیان ایک آواز کا سنائی دینا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، مہینے کے درمیانی عرصہ میں سورج گرھن ہونا، اور مہینے کی ابتداء میں چاند گرھن ہونا شامل ہے ،جبکہ ایک ہی مہینے میں سورج اور چاند گرہن ہونا علمِ فلکیات کے اصولوں کے خلاف ہے ،پس ان تمام روایات میں ان امور کو بیان کیا گیا ہے جو اس نظام کائنات کے خلاف ہیں جس کے ہم عادی ہو چکے ہیں اور جس نظام میں انسان نہ جانے کتنی صدیوں اور کتنی نسلوں سے زندگی بسر کر رہا ہے۔

پس ان روایات کے بارے میں واضح ہے کہ علمی قواعد وضوابط کے تحت ان تمام روایات میں سے ہر ایک کے صحیح ہونے کا یقین انتہائی مشکل ہے اس مشکل کے باوجود ہم ان روایات میں سے بعض کے صحیح اور صادق ہونے کا یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان روایات کی کثرتِ تعداد، روایات کے مضمون اور خصوصیات میں پھیلاؤ، اور راویوں کے سلسلہ میں وسعت کی وجہ سے ہم تمام روایات کو غلط اور جھوٹا نہیں کہہ سکتے کیونکہ اتنے زیادہ افراد کا جھوٹ پہ اتفاق کر لینا عادی طور پر عقلاً ناممکن ہے ،ان روایات میں اجمالی طور پر تواتر موجود ہے اور اس تواتر کو ہم اس طرح سے ثابت کریں گے کہ ان روایات میں جو معانی اور مفاہیم مشترک ہیں یعنی جو چیز تمام روایات میں پائی جاتی ہے اسے ہم لیں گے ،اور وہ چیز جو ان تمام علاماتِ ظہور کی روایات میں پائی جاتی ہے وہ غیر فطری واقعات اور امور کا رونما ہونا ہے جن کا عام طور پر تصور نہیں کیا جاتا، ظہورِ حق کی علامات ان واقعات اور حادثات کی مثل ہیں جو واقعات حضرت رسول اعظم صلی اللہ

علیہ والہ وسلم کی ولادت کے وقت رونماہوئے مثلاً کنگرے کسریٰ کا منہدم ہونا کہ جس کو وہ اپنے لیے فخر اور شرف سمجھتے تھے، آتش فارس کا بجھ جانا، بحیرہ ساوہ کا اچانک خشک ہونا، وادیِ سماوہ میں بہت شدید طوفان اور سیلاب کا آنا اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے واقعات حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت کے وقت رونماہوئے جن کو تاریخ دانوں نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، اور جو علاماتِ ظہور روایات میں مروی ہیں وہ بھی ان واقعات کی مانند ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت کے وقت رونماہوئے، پس ان آفات، مصائب اور ان واضح نشانیوں اور آیات کا ظاہر ہونا حضرت امام الحجہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کی تمہید ہے، ہم ان علامات کو اس ارتعاش اور خوف ناک آواز سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو کہ ہر قسم کے اسلحہ سے لیس بہت بڑے لشکر کی آمد سے پہلے سنائی دیتی ہے، ان روایات کو ہمارے علمائے ابرار نے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے جن میں ظہور کی علامات بیان ہوئی ہیں۔

سوال نمبر ۵: وہ روایات جن میں ظہور کی علامات کو بیان کیا گیا ہے، ان میں موجود اختلاف اور تعارض کو آپ کیسے حل کریں گے ؟ کیا آپ اسی طریقہ کار کے ذریعہ اسے حل کریں گے جو فقہی روایات میں استعمال کیا جاتا ہے یا پھر آپ کے نزدیک اس کے حل کا کوئی اور مخصوص طریقہ ہے ؟

جواب: علاماتِ ظہور پر مشتمل روایات میں اختلاف اور تعارض کو مندرجہ ذیل دو طریقوں سے حل کرنا ممکن ہے۔

(۱) ۔۔۔ ہم ان روایات اور اخبار میں سے ان اخبار کو اختیار کریں جو اخبار ثقہ اور معتبر ہیں یا پھر ان اخبار کے راوی اور بیان کرنے والے افراد قابلِ اعتماد اور باوثوق ہیں اور جن روایات میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے وہ نہایت قلیل ہیں پس اس طریقہ پر عمل کے نتیجہ میں ان افراد کے درمیان جن کے نزدیک ان اخبار کا معتبر ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور ان افراد کے درمیان جن کے نزدیک ان کا معتبر ہونا ثابت نہیں ہوتا تعارض اور اختلاف پیدا ہو جائے گا جس کی وجہ سے اصل موضوع اپنی جگہ باقی رہ جائے گا۔

(۲) ۔۔۔ سب سے پہلے ان روایات میں سے ہم ان کو اختیار کریں گے جن کے معتبر ہونے کا ہمیں یقین ہے اور پھر بقیہ روایات میں سے وہ چیز لیں گے جو اس موضوع کے حوالے سے مشترک ہے۔

اور اس مشترک اور تمام روایات میں پائے جانے والے معنی اور مفہوم کو اختیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام روایات میں سے ہر ایک کی ذاتی خصوصیات کو بالائے طاق رکھا جائے، اس طرح سے تعارض ہر حوالے سے ختم ہو جائے گا اور یہی وہ طریقہ ہے جس کا علمی قواعد اور ضوابط تقاضا کرتے ہیں

گزشتہ گفتگو کا نتیجہ

وہ قواعد اور قوانین جن کو عموماً علم اصول میں اختلافی اخبار کے حل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ان سے ہٹ کر ہم نے ایک اور طریقہ کو اختیار کیا ہے جو طریقہ ان روایات کو پرکھنے کے لیے باقی تمام طریقوں سے بہتر ہے، باقی رہا قاعدۃ التسامح تو میں پہلے (سوال نمبر ۴ میں) اشارہ کر چکا ہوں کہ قاعدۃ التسامح کو ان روایات میں جاری کرنے کی کوئی بنیادی وجہ اور ضرورت نہیں ہے۔

سوال نمبر ٦ : غیبتِ صغریٰ اور اس سے پہلے صادر شدہ امام مہدی علیہ السلام کے فرامین، اوامر، آراء اور توقیعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے امام علیہ السلام لوگوں کے درمیان رہتے ہیں اور فعلی طور پر ان میں حاضر اور موجود ہیں، تو پھر اس کے باوجود مندرجہ ذیل مقامات پر ان توقیعات وغیرہ کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

(۱)۔۔۔ استنباطِ فقہی کے دوران ان توقیعات کو کیوں استعمال نہیں کیا جاتا؟

(۲) ۔۔۔ فقہ کے علاوہ دوسرے اجتماعی اور دینی معاملات میں انہیں کیوں نہیں پیش کیا جاتا؟

(۳)۔۔۔ ان توقیعات کے ذریعے یہ کیوں نہیں بیان کیا جاتا کہ مکلف ہر وقت امام علیہ السلام کے حضور میں رہتا ہے اور امام علیہ السلام ہر وقت اس دیکھتے ہیں ؟

جواب: امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف سے مروی فرامین، اوامر اور توقیعات کا جب کوئی گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے تو اس پہ بہت سی اہم باتوں کا انکشاف ہوتا ہے، ان اہم باتوں میں سے ایک تو شدید ترین حالات کے باوجود مختلف طُرق اور واسطوں سے توقیعات کی ایک بڑی تعداد کا ہم تک پہنچنا ہے، اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جب یہ توقیعات صادر ہوئیں تو اس وقت طاغوت کی اندھی حکومت سیاہ بادلوں کی طرح پوری سلطنت پہ چھائی ہوئی تھی اور قطعاً ان توقیعات کا صدور نہیں چاہتی تھی، ان طاغوتی طاقتوں نے امام علیہ السلام کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی اور ہر آنے جانے والے پہ گہری نظر رکھی، بلکہ وہ ہر اس معمولی اشارہ کی کھوج میں بھی رہیں جس کے ذریعے امام علیہ السلام کے وجودِ مبارک تک پہنچا جا سکتا تھا، یا جس کے ذریعے کسی ایسے شخص تک پہنچنا ممکن ہو کہ جس کا امام علیہ السلام کے ساتھ قریب یا بعید سے کوئی رابطہ یا تعلق ہو اور اس کام کے لیے طاغوت نے اپنے تمام مجرمانہ وسائل استعمال کیے۔

یہ تمام حالات تحقیق کرنے والے کو ان تمام توقیعات کے ثقہ اور معتبر ماننے پہ مجبور کرتے ہیں کیونکہ ان حالات میں کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ ان توقیعات و اوامر کو کسی دوسرے تک پہنچاتا اور نقل کرتا، چہ جائیکہ کوئی انہیں آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرتا، یہ کام فقط وہی کر سکتا ہے جس کے دل کا اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعے امتحان لیا ہو اور وہ ہر قیمتی اور نادر چیز کی قربانی دینے کے لیے پوری طرح تیار ہو، یہی وہ چیز ہے جو کسی بھی محقق کو اس بات کا یقین اور اطمینان دلاتی ہے کہ ان توقیعات کی سند اور راوی وغیرہ ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں، خاص طور پر وہ فرامین اور توقیعات جو اُن حالات میں صادر ہوئیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، مثال کے طور پر یہ توقیع اور فرمان جس میں امام الحجۃ عجل اللہ فرجہ الشریف فرماتے ہیں:۔

"اما الحوادث الواقعۃ فارجعوا فیہا الی رواۃ احادیثنا۔۔۔ تا آخر"

ترجمہ: "حوادثِ زمانہ میں ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو۔۔۔۔۔۔ تا آخر"

جنابِ حسین بن روؒح کی دختر محترمہ فرماتی ہیں "جس دور میں یہ توقیع جاری ہوئی اور شیعوں تک نقل کی گئی وہ دور ایسا تھا جس میں تلوار سے خون ٹپکتا رہتا تھا،

پس اسی بنیاد پر مجتہد ان توقیعات کو حکمِ شرعی کے استنباط کے لیے استعمال کر سکتا ہے"

مندرجہ بالا گفتگو سے قطع نظر، یہ توقیعات و فرامین امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف اور ان کے شیعوں کی طرف ان طاغوتی طاقتوں کے لیے تنبیہ اور دھمکی ہیں جن کی آنکھیں دنیا کی محبت میں اندھی ہو چکی ہیں، جن کی عقل تکبر میں غرق ہونے کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے اور جن کے دل دنیا کی اُس فانی بلکہ خیالی لذت میں اندھے ہو گئے ہیں جس لذت کو ہر ظالم بادشاہ ابدی تصور کرتا ہے، پس ان طاغوتی طاقتوں نے اپنے ظلم و جبر اور ان تمام وسائل کو امام الحجۃ عجل اللہ فرجہ الشریف کی تلاش میں استعمال کیا جن کو وسیع و عریض اور بارعب سلطنت کا بادشاہ استعمال کر سکتا ہے، لیکن وہ امام علیہ السلام کی دھول کو بھی نہ پا سکیں، نہ وہ شیعوں کو امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف تمسک کرنے سے روک سکیں اور نہ ہی اُس امام علیہ السلام کی توقیعات کے تناقل میں حائل ہو سکیں جس امام علیہ السلام کو روحِ قدس کی تائید اور مدد حاصل ہے، جس کے پاس اللہ تعالی کی حمایت موجود ہے اور جسے قربانی کے جذبہ سے سرشار ان کے شیعوں کی محبت نے گھیر رکھا ہے، ہماری جانیں ان پر قربان ہوں، وہ ایسی ہستی ہیں جن کے صدقے میں زمانے کو رزق ملتا ہے اور جن کے وجود کی برکت سے یہ زمین و آسمان قائم ہیں اور اُن کی اس کائنات میں وہ حیثیت ہے جو کسی چکّی میں اس کے محور کی ہوتی ہے۔

پس جو کچھ بھی ہم نے بیان کیا اس کی روشنی میں ہم یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ ان توقیعات کو حکمِ شرعی اور استنباطِ فقہی میں دلیل کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں، بشرطیکہ جن توقیعات کو حکمِ شرعی کی دلیل کے طور پر ذکر کیا جا رہا ہے، ان میں دلیل بننے کی شرائط پائی جائیں، مثلاً ان توقیعات کے علاوہ جو دلیل حکمِ شرعی پر دلالت کرتی ہے اس کی تائید کے لیے ان توقیعات کو لایا جا سکتا ہے، یا پھر اسی طرح اگر مشہور فقہاء نے ان توقیعات پہ عمل کیا ہو تو بھی ہم انہیں معتبر اور قابلِ عمل قرار دے سکتے ہیں، یہ اس فقیہ کی رائے کے مطابق ہے جو مشہور فقہاء کے عمل کو ضعیف روایت کی توثیق پر دلیل سمجھتا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ ان توقیعات کو عقائد کی سند قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ توقیعات جو اپنے اندر عقائد کو سموئے ہوئے ہیں انہیں دیکھنے اور پڑھنے سے انسان پر ایک خوشگوار اثر مرتب ہوتا ہے اور اس لامتناہی محبت میں اضافہ ہوتا ہے جو ہر مومن کے دل میں اس امام مظلوم علیہ السلام کے لیے موجود ہے یہی امام علیہ السلام ہر غائب اور حاضر کی امید گاہ ہے، ہر قریب و بعید کی انتہاءِ نظر اور مرکزِ نگاہ ہے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کے تمام صالحین کی نظریں اسی امام علیہ السلام کی طرف لگی ہوئی ہیں اور وہ ہر پاکیزہ دل کی دھڑکنوں میں محفوظ ہے اور جو انسان حق سے جتنی محبت کرتا ہے اتنی ہی وہ امام علیہ السلام سے بھی کرتا ہے۔

ان توقیعات پر نظر و فکر کرنے سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب انسان ان کو دیکھتا اور ان کے معانی میں غور و فکر کرتا ہے تو جس طرح ان توقیعات سے برسنے والی فیض کی بارش سے سیراب اور مستفید ہوتا ہے اسی طرح وہ ایک مخصوص معنوی زندگی بسر کرنے لگتا ہے جو زندگی اسے انتہائی مضبوطی سے امام علیہ السلام کے ساتھ مربوط کر دیتی ہے اور کبھی تو ان توقیعات میں غور و فکر کرنے والا مومن شعور کی اس بلندی پہ پہنچ جاتا ہے کہ اگرچہ وہ غیبت کے زمانہ میں رہتا ہے مگر اس کے لیے امام علیہ السلام کا غائب ہونا یا حاضر ہونا ایک ہی معنی رکھتا ہے، وہ ہر وقت اپنے آپ کو امام علیہ السلام کے سامنے تصور کرتا ہے اور یہی چیز بندۂ مومن کے اندر ایسی صفاتِ حمیدہ پیدا کر دیتی ہے جن صفات کے اپنانے کا ہمیں امام علیہ السلام نے ان توقیعات میں حکم دیا ہے، پس یہ توقیعات ہمارے لیے اس زمانۂ غیبت میں ایک نادر تحفہ ہیں جو ہر خوف زدہ کے لیے پناہ گاہ، ہر حیرت زدہ کے لیے سہارا اور ہر ہدایت کے

خواہش مند کے لیے ہدایت ہیں، ہمارے بہت سے علمائے ابرار نے اپنی زندگی ان آثار کو اکٹھا کرنے کے لیے مختص کر دی اور ان توقیعات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا۔

سوال نمبر۷ : دعائے ندبہ کا آپ کے نزدیک کیا مقصد ہے ؟ کیا اس کی تلاوت عبادت کا ایک طریقہ اور ایک عبادتی رسم ہے ؟ یا پھر ایک معاشرتی حالت ہے جس میں مکلف امام علیہ السلام کے ساتھ رہتا ہے ؟

جواب: دعائے ندبہ کو مختلف جوانب سے دیکھا جا سکتا ہے، جب ہم سند کے اعتبار سے اس دعا کو دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سند اور احادیث کے میدان میں کام کرنے والے بڑے بڑے علماء دعاءِ ندبہ کی سند کو درست تسلیم نہیں کرتے، لیکن سند کو تسلیم نہ کرنے کے باوجود یہ علماء اس دعا کو پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں کیونکہ اس دعا کے فقرے انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مربوط کر دیتے ہیں جیسا کہ ہر دعا ہی اللہ اور اس کے بندے کے درمیان رابطہ ہوتی ہے چاہے اس دعا کی سند معتبر ہو یا نہ ہو یا دعا کرنے والے نے خود ہی اپنی حاجت، غرض یا تمنا کو پورا کروانے کے لیے اسے ترتیب دیا ہو۔

اکثر علماء کی طرح میرے نزدیک دعاؤں کی سند دیکھنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ہر دعا بندے اور اس کے رب کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہوتی ہے، اور اس سے اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق مزید گہرا ہوتا ہے، پس دعاؤں کی سند دیکھنے کے ضروری نہ ہونے کو ہم مندرجہ بالا بنیاد پر تسلیم کرتے ہیں اور علمی قواعد وضوابط بھی اسی کا تقاضا کرتے ہیں، لیکن اگر دعاؤں کی سند نہ دیکھنے والے نظریہ کی بنیاد تسامح فی السنن ہو تو ہم اسے قطعاً تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بات علمی قواعد وضوابط کے خلاف ہے، پس جو کچھ بھی بیان ہو چکا ہے اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دعا کے پڑھنے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے میں بہت اجر و ثواب ہے۔

اگر اس دعا میں موجود جملوں اور ان کے معانی کو مکمل قلبی اور فکری اطمینان کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے پڑھا جائے تو اس دعا کی تلاوت کے دوران مکلف وبندۂ مومن کے اندر ایک عجیب احساس ابھرتا ہے اور جب اس دعا کے فقرے اس کے دل کی آواز بن کر ذہن میں گردش کرنے لگتے ہیں تو یہ دعا اسے اس طرح بنا دیتی ہے جیسے وہ اس غیبت کے باوجود بھی امام علیہ السلام کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے جو غیبت اُن لوگوں کی بے راہ روی اور سرکشی کے نتیجہ میں رونما ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی اطاعت سے خارج ہو کر گناہوں کی دنیا میں جا بسے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے آخری لمحات میں تھے کہ ان پہ ہذیان کی تہمت لگا دی گئی اور ان کی وفات کے بعد ایک سقیفہ پارٹی بن گئی اور سقیفہ کی وجہ سے اتنی برائیوں اور مصیبتوں نے جنم لیا جن کا شمار فقط اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے، پس یہ دعا امام علیہ السلام کے ساتھ معاشرت کا ذریعہ ہے، یہ دعا انسان کو زمانہ ظہور کے لیے تیاری پر مجبور کرتی ہے اور اس کے اندر نفسیاتی استعداد اور امام علیہ السلام کے ساتھ اتصالِ ایمانی پیدا کرتی ہے۔

اے بندۂ مومن ان معانی کی قدر کر اور اس کے علاوہ دوسرے بہت سے معانی کی بھی جن کو دعا کرنے والا محسوس کرتا ہے اور جن کے احاطہ اور بیان سے قلم قاصر ہے، ان معانی کو فقط روح اور دل کے ذریعے ہی جانا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر ۸ : دعائے ندبہ میں موجود اس عبارت ''عرجت بروحہ الی سمائک'' یعنی تو نے اس کی روح کو اپنے آسمان کی معراج کروائی۔ اور اس عبارت ''عرجت بہ الی سمائک'' یعنی تو نے اسے اپنے آسمان کی معراج کروائی، کے درمیان کیا فرق ہے؟ کیا پہلی عبارت شیعوں کے '' جسمانی معاد والے عقیدہ'' کے خلاف نہیں ہے؟ یا پھر اس سے مراد کوئی عرفانی حالت ہے جسے دعا پڑھنے والا محسوس کرتا ہے؟

جواب: وہ تمام کمالی اور غیر کمالی صفات جن کو انسان اللہ تعالٰی کے لطف و کرم اور عنایت کے صدقے یا کسی اور ذریعہ سے کسب کرتا ہے، ان تمام صفات کا محور انسان کی روح اور اس کا نفس ہوتا ہے، اور یہی روحِ انسانی بدن کو استعمال کرتی اور اس سے کام لیتی ہے۔ اس روح یا نفس کا بدن سے تعلق ایسے ہی ہے جیسے کسی حاکم کا اس کی سلطنت سے ہوتا ہے، یا کسی ملاح کا اس کی کشتی سے ہوتا ہے، اور وہ تمام احساسات جن کو انسان محسوس کرتا ہے، مثلاً دکھ، درد، لذت، خوشی، غم، خوف، اطمینان، بلندی اور پستی کا شعور ان سب کا تعلق انسان کے بدن سے نہیں ہوتا، بلکہ انسان کی روح سے ہوتا ہے۔ بدن تو فقط ان احساسات کو کسب کرنے کا آلہ وذریعہ ہے۔ ہر وہ شرف اور فضل جو انسانی بدن کو حاصل ہوتا ہے، وہ فقط اس کے روح کے ساتھ ارتباط کی بناء پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بدن یا اس کا کوئی حصہ روح سے جدا ہو جائے تو وہ شعور سے لاشعور کی دنیا میں چلا جاتا ہے اور کسی شے کو محسوس نہیں کر سکتا۔ پس بدن کی اشرفیت، افضلیت اور عظمت فقط کسی معین روح یا نفس سے ارتباط کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مکان کی اشرفیت اس کے مکین سے ظاہر ہوتی ہے۔

بنابریں تمام فیوضِ الٰہی کو درحقیقت روح یا نفس درک کرتا ہے، نہ کہ بدن، لیکن نفس اس فیض کو حاصل کرنے کے لیے بدن کا محتاج ہوتا ہے، جیسا کہ فلسفہ اور منطق میں یہ بات موجود ہے کہ نفس اور عقل میں فرق ہی یہ ہے کہ عقل اپنی ذات وافعال دونوں میں ہی مادہ اور عالم ناسوت کی محتاج نہیں ہوتی، جبکہ نفس اپنی ذات کی حد تک تو مادہ کا محتاج نہیں ہے، اور نہ ہی نفس کوئی مادی چیز ہے، لیکن نفس اپنے افعال اور کارکردگی میں، اور کمالات، فیوضِ ربانی اور نعماتِ الٰہیہ کو کسب کرنے میں مادہ کا محتاج ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا، قبر، عالم برزخ اور آخرت میں اسے جسم کے ذریعے سزا اور جزاء دی جائے گی۔ برزخ اور آخرت میں یہ جسم یا تو برزخی جسم ہوگا، یا پھر اسی جسم کو دوبارہ محشور کیا جائے گا جو اس مادی دنیا میں نفس اور روح کی ملکیت ہے۔

پس گزشتہ ساری گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان دونوں تعبیروں میں کوئی فرق نہیں ہے، ہاں اگر دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہو، تو اس کے لیے سب سے پہلے دعا کے صحیح نسخہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا، اور دوسری جانب ان بلاغی مفاہیم کو مدِ نظر رکھنا ہوگا جو دونوں عبارتوں میں موجود ہیں۔ پس بلاغی مقتضیات کے مطابق پہلی تعبیر میں روح کی معراج کو بیان کیا گیا ہے اور بدن کی معراج اس کے ضمن میں آجاتی ہے، اور دوسری تعبیر میں بدن کی معراج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یعنی دوسری تعبیر میں بھی روح کی معراج کا ذکر ہے لیکن اس میں بتایا گیا کہ روح نے بدن کے واسطہ سے معراج کی، کیونکہ روح کمالات اور فیوضِ الٰہی کو کسب کرنے میں بدن کی محتاج ہوتی ہے، اور بدن کی روح کے بغیر کوئی حیثیت نہیں ہے، بلکہ اس بدن کا روح سے تعلق آلہ اور واسطہ کی مانند ہے۔

پس اگر ان دونوں تعبیروں میں سے پہلی تعبیر کو اختیار کیا جائے، کہ جس میں روح کی معراج کا ذکر ہے تو اس سے روح کی بلندی اور اشرفیت ثابت ہوتی ہے،

اور اسی روح کے واسطہ سے اس سے مربوط بدن کی بھی اشرفیت اور بلندی ظاہر ہوتی ہے، جبکہ دوسری تعبیر میں بلاغت کے لحاظ سے یہ مفہوم موجود نہیں ہے، بلکہ دوسری تعبیر بدن اور روح کے درمیان ارتباط پر دلالت کرتی ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مقام، مرتبہ اور منزلت کی بلندی مجموعاً روح اور بدن دونوں کے ساتھ خاص ہے۔

علم نحو اور علم بیان وغیرہ میں ایک بحث ہے جس میں مذکور ہے کہ جو ضمیریں کسی شخص کی طرف اشارہ کے لیے استعمال کی جاتی ہیں وہ تمام روح کی طرف اشارہ کرتی ہیں نہ کہ بدن کی طرف، مثلاً جب کوئی کہتا ہے "یدی" یعنی میرا ہاتھ، "رأسی" یعنی میرا سر، "صدری" یعنی میرا سینہ یا "بدنی" یعنی میرا جسم وغیرہ، تو ان تمام میں جو ضمیر "یائے متکلم" استعمال ہوئی ہے وہ روح کی طرف اشارہ کر رہی ہے، بدن کی طرف نہیں، کیونکہ جب ہم کہتے ہیں کہ میرا ہاتھ، میرا سر یا میرا بدن وغیرہ تو اس میں جو لفظ "میرا" استعمال ہوتا ہے وہ ہاتھ، سر اور بدن کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، کہ جس کی ملکیت میں یہ ہاتھ، سر اور بدن ہیں، اور اسی چیز کو روح کہا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو گفتگو کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اور یہی حال مخاطب اور غائب کی ضمیروں کا بھی ہے، یعنی یہ دونوں ضمیریں بھی روح کی طرف اشارہ کرتی ہیں، بدن کی طرف نہیں۔

پس اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ دونوں عبارتوں اور تعبیروں میں فرق یہ ہے کہ پہلی تعبیر میں روح کا صراحتاً ذکر کیا گیا ہے اور دوسری میں صراحتاً ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ دوسری عبارت میں کہا گیا ہے "عرجت بہ"، لیکن یہ "بہ" میں موجود ضمیرِ غائب روح کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ پس اگر روح کو صراحتاً ذکر کیا جائے تو اس سے دعا پڑھنے والے پر روح کی عظمت اور افضلیت ظاہر ہوتی ہے۔

اسی طرح گزشتہ گفتگو سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ پہلی عبارت سے جسمانی معاد والے عقیدہ کی مخالفت اور نفی نہیں ہوتی، اور نہ ہی جسمانی معاد کا عقیدہ اس بات کی نفی کرتا ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

سوال نمبر ۹ : جب دعائے ندبہ کی اس قدر اہمیت ہے تو کیا طاغوتی حکومت کے خاتمے اور حکومت کی طرف سے تعیین کردہ اہلکاروں کے خوف سے امن کے بعد عراقی شہری اپنے فرض کی ادائیگی کر رہا ہے؟ اور کیا وہ گھروں، مساجد، امام بارگاہوں اور مقاماتِ مقدسہ میں اس دعائے ندبہ کے پڑھنے کا اہتمام کر رہا ہے؟ اگر نہیں تو اس بارے میں ایک عام شہری (مؤمن) کی کیا ذمہ داری ہے اور اسی طرح طلباء و علماء کا کیا فرض بنتا ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ دعائے ندبہ اپنے اندر جو معانی سموئے ہوئے ہے وہ ان تمام دعاؤں میں اکٹھے کہیں بھی نہیں ملتے جو دعائیں مختلف مصادر اور کتبِ ادعیہ میں موجود ہیں، اس دعا میں استعمال ہونے والی ہر ایک تعبیر مخصوص بلاغی معنی رکھتی ہے، اس دعا کی ترتیب اور اس کا خاص اسلوب دعا پڑھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک ایسا تعلق قائم کر دیتا ہے جو اسے قرب کی منازل جلد سے جلد طے کرنے میں مدد دیتا ہے، اور جب بھی کوئی مؤمن یہ دعا پڑھتا ہے تو اس دعا کے مخصوص معانی بہت تیزی سے پڑھنے والے اور سننے والے مؤمنین کے دلوں کی گہرائیوں میں اترتے چلے جاتے ہیں، اور یہ معانی اور جملوں کی ترتیب و ترکیب دعا پڑھنے والے کے امام علیہ السلام پر ایمان کو انتہائی ملائمیت سے مضبوط کرتی ہے، اور یہی ایک مختصر اور آسان ترین راستہ ہے

جس کے ذریعے انسان رحمتِ الٰہی کے دروازوں تک پہنچ سکتا ہے۔

پس دعا پڑھنے والا اس مادی دنیا سے بے خبر اپنے آپ کو عالم ارواح میں تصور کرتا ہے، گویا وہ ابوابِ رحمت پہ کھڑا ایمان سے لبریز جذبات کے ذریعے دستک دے رہا ہو، اس طرح وہ ایک روحانی بلندی اور قربِ الٰہی کی معراج محسوس کرتا ہے۔

دعاءِ ندبہ کی محافل کے دوران جب مؤمنین اپنے اولیاء سے متمسک دعا کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت یہ ماحول انسان کو ظہورِ امام المنتظر عجل اللہ فرجہ کے لیے بکثرت دعا کرنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ امام المنتظر علیہ السلام ظہور فرما کر ظالموں سے انتقام لیں، شریعتِ مقدسہ کو نافذ کریں اور دنیا سے طاغوت اور فساد کا جڑ سے خاتمہ کر دیں، اسی دعا اور فکر کے نتیجہ میں وہ فساد کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے اندر ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتا ہے کہ جس کے ذریعے وہ حقیقی انقلاب کے حقیقی بانی کی فوج میں شامل ہو سکے اور دنیا کی آخری اور واحد امید حضرت امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کا ساتھ دے سکے۔

اسی بنا پر مؤمنین کو چاہیے کہ وہ اپنے گھروں، امام بارگاہوں، مساجد اور مقاماتِ مقدسہ میں دعائے ندبہ کی مجالس و محافل کا اہتمام کریں، یہ ایک نہایت اہم کام ہے جس کی اس دور میں نہایت اشد ضرورت ہے، طلباء اور علماء کی فقط یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ صرف لوگوں کو اس دعا کے پڑھنے کی ترغیب دیں بلکہ جس میں بھی لوگوں کو ارشاد و تبلیغ کرنے کی صلاحیت ہے اسے چاہیے کہ وہ اس دعا اور اس میں موجود مشکل معانی کی توضیح و تشریح لوگوں میں بیان کرے، کیونکہ اس دعا میں بہت سے ایسے معانی ہیں جو گہرے مطالعے کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے۔ اس دعا کے فقرات جن بلند و عالی معانی و مقاصد کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان کو سمجھنا اس عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے جو عقلی اور نظریاتی علوم سے ناواقف ہو، اگر اس دعا کے مفاہیم اور مطالب کو سمجھے بغیر پڑھا جائے تو اس دعا کے اصل مقاصد فوت ہو جائیں گے، اور شاید ہو سکتا ہے کہ لوگ وقتی طور پر تو دعا سے متاثر ہوں لیکن یہ اثر جلد ختم ہو جائے گا۔

پس جو شخص اس دعا کے مفاہیم سے آگاہ نہیں ہے اُسے اس دعا کے مقاصد اور مفاہیم سے آگاہ کرنا طلباء اور علماء کی ذمہ داری ہے، تاکہ دعا پڑھنے والا اس کے معانی سمجھنے کے بعد دعا کی واقعیت کو محسوس کر سکے، اس طرح سے وہ اس عنایتِ الٰہی کو حاصل کر سکتا ہے، جس کی تمنا ہر عاقل اور ہر فیضِ الٰہی کا طلبگار رکھتا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ سب کو توفیق خیر عطا فرمائے، صراط مستقیم پر گامزن رکھے، اپنی رضا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے، ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہماری مدد فرمائے، ہمارے اعمال کو اپنے دربار میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ہماری امید سے زیادہ اور بہتر اجر عطا فرمائے۔ (الٰہی آمین)

سوال نمبر ۱۰ : حقیقی انتظار اور ثقافتِ مہدویہ (عجل اللہ فرجہ) کے فروغ اور استحکام کے حوالے سے آپ کیا نصیحت فرمائیں گے، نیز عراق میں شعائرِ مہدویہ (عجل اللہ فرجہ) مثلاً دعائے ندبہ وغیرہ کے اہتمام اور اشاعت کے بارے میں آپ کا کیا مؤقف ہے؟

جواب: غیبتِ کبریٰ کے دوران دینی طلبا، علما، مفکرین، مصنفین، مؤلفین، واعظین اور میدانِ خطابت میں ید طولیٰ رکھنے والوں پر بہت ساری ذمہ داریاں

عائد ہوتی ہیں، یہ بات کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ آج کے اس موجودہ دور میں انسانیت اور خصوصاً اسلام اور مسلمانوں کی جو حالت ہم دیکھ رہے ہیں وہ اس وقت سے قطعاً بہتر اور مختلف نہیں ہے جس وقت غیبتِ کبریٰ رونما ہوئی تھی، آج بھی لوگ اسی طرح دنیا کی محبت میں غرق ہیں جیسے پہلے تھے، مفہوم ایمان اُس دور کی طرح آج بھی روح کی گہرائیوں میں نہیں اتر پایا، آج بھی دین اُسی طرح فقط لوگوں کی زبان تک محدود ہے جیسے پہلے تھا، جس طرح پہلے تمام ممالک ظالموں اور جابروں کے زیرِ قبضہ تھے اسی طرح آج بھی ہیں، ظلم وجور اور اقرباء پروری عام ہے، وہ لوگ جو اپنے آپ کو مؤمن کہتے ہیں ان کے دل حقیقتِ ایمان سے خالی نظر آتے ہیں اور سوائے چند افراد کے تقریباً سارے ہی نفوس انتہائی رذیل برائیوں میں مبتلا ہیں جن برائیوں میں حسد اور بغض وغیرہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، بلکہ بعض برائیاں تو ایسی ہیں جو گناہان کبیرہ مثلاً غیبت، چغل خوری اور حب جاہ وغیرہ سے بھی بڑی ہیں، اور ان تمام برائیوں کی جڑ اور بنیاد فقط دنیا کی محبت ہے۔

پس ہمیں شاذونادر ایسے لوگ مل پائیں گے جو حقیقی معنوں میں مؤمن اور دین سے مخلص ہیں، اور اسلام کی صحیح خدمت کر رہے ہیں، اگر آپ کسی گروہ یا تنظیم وغیرہ کو کلمۂ حق کی ترویج واشاعت کرتے دیکھتے ہیں تو قریب جانے پر اس کی حقیقتِ حال یوں آشکار ہوگی کہ آپ اس کے قریب ٹھہرنا بھی گوارہ نہیں کریں گے، اور اس سے یوں دور بھاگیں گے جیسے کوئی شیر، سانپ یا بچھو وغیرہ سے دور بھاگتا ہے۔

اسی بنا پر دینی طلباء اور علماء پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو واجب الٰہی (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) اور اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے تیار کریں، اور ان پر واجب ہے کہ وہ انقلابِ امام مہدی علیہ السلام کی ضرورت کے بیان اور اس کی تشریح وتوضیح کے ذریعے ثقافتِ مہدویہ علیہ السلام کو استحکام بخشیں، جب لوگوں کو ہدایتِ مہدی علیہ السلام کے زیر سایہ دنیا میں رونما ہونے والے حالات وواقعات اور حقیقتِ مہدی علیہ السلام کے بارے میں بتایا جائے گا تو اس کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں امام علیہ السلام کے لیے اشتیاق پیدا ہوگا اور ان کا امام علیہ السلام سے تعلق زیادہ سے زیادہ گہرا ہوتا چلا جائے گا۔

جس طرح دینی طلباء اور علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسی طرح مؤمنین میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ جس حد تک اس کے لیے ممکن ہو اور جتنی اس میں صلاحیت ہو انتظار کے حقیقی مفہوم کو فروغ اور استحکام دینے کی کوشش کرے اور جہاں تک ہو سکے لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرے کہ انھیں زمانۂ غیبت میں کیا کرنا چاہیے اور کس چیز کا حصول وسعی اس وقت ان پر واجب ہے۔

اس طرح سے ہم تمام میدانِ عمل میں آجائیں گے، اور اس حوالے سے سستی، کاہلی اور ایک دوسرے پر ذمہ داری عائد کرنے سے بچ جائیں گے، اور برائیوں کی دعوت دینے والے نفس امارہ سے حقیقی معنوں میں نبرد آزما رہیں گے، اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے نفوس اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت یعنی ظہورِ امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کے استقبال کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

جس طرح مشرق سے لے کر مغرب تک پوری دنیا میں انقلابِ مہدی علیہ السلام برپا کرنے کے لیے راستہ ہموار کرنا واجب ہے اسی طرح ہم پر واجب ہے کہ پہلے اپنے اندر ایسی صلاحیت پیدا کریں کہ ہم نفسیاتی طور پر انتظار کے حقیقی مفہوم کو اپنا سکیں، دوسری جانب باقی افراد کو اپنے دینی فرائض کی ادائیگی اور اجتماعی طور پر ان کے رائج کرنے کی ترغیب دیں، اور جس حد تک ممکن ہو دینی شعائر کو فروغ اور رواج دیا جائے، مثلاً نماز جماعت وغیرہ، اگر مسجد میں جانا مشکل ہو تو اھل وعیال کے ساتھ گھر میں نماز جماعت کا اہتمام کیا جائے، اور اسی طرح مشہور اور آسان معانی وتعبیرات پر مشتمل دعاؤں کے اجتماعی

پروگرام منعقد کیے جائیں، تاکہ ان دعاؤں کی عام فہم تعبیرات اور ان کے معانی معمولی سی توجہ سے ہی دل اور روح کی گہرائیوں میں اترتے چلے جائیں، مثلاً وہ دعا پڑھی جائے جو حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے اپنے عابد وزاہد شاگرد حضرت کمیل بن زیاد کو تعلیم فرمائی، اسی طرح وہ دعا جس کی تلاوت حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے عرفہ کے دن فرمائی تھی، یا دعائے ندبہ کو اجتماعی طور پر پڑھنے کا اہتمام کیا جائے تاکہ ایک طرف تو اس کے ذریعے ہم اپنے وظیفہ اور ذمہ داری کو ادا کر سکیں اور دوسری طرف اس کے ذریعے لوگوں کو اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جا سکے، اور تیسری طرف اس انقلاب مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے لیے راہ ہموار کی جا سکے جس انقلاب کا ہر کوئی منتظر ہے۔

لیکن یہ کام انتہائی مشکل اور پُر تھکن ہے، اور اس کا راستہ بھی بہت طویل اور رکاوٹوں سے بھرا ہوا ہے اور یہ سب کچھ فقط اس وجہ سے ہے کہ ہم اس کام کے لیے درکار بنیادی چیزوں کو کھو چکے ہیں، سستی و کاہلی دینی طلباء کے نفوس میں گھر کرتی جا رہی ہے، محنت سے فرار اور آرام پرستی سے پیدا ہونے والی سستی کے نتیجہ میں اب سطحی قسم کی تعلیم و تدریس کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ تو خیر بات تھی حوزہ میں موجودہ ماحول اور رجحانات کے بارے میں، لیکن ہمارے علماء (خدا ان کی مدد کرے) اصلاحِ نفوس کے حوالے سے بہت فکر مند اور میدانِ عمل میں کوشاں ہیں لیکن یہ مسئلہ ہمارے تصور سے بھی کہیں بڑا اور پیچیدہ ہے۔

اور جہاں تک بات ہمارے نوجوان طبقہ کی ہے وہ تو بس بے فکر ہواؤں میں سیر کرتا پھرتا ہے، نوجوان اپنی اس عجیب فکری نہج کے باوجود بھی اصلاحی پہلو کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں، شاید وہ اس بارے میں علماء اور مجتہدین کی طرف سے کسی معجزہ کے منتظر ہیں، نوجوانوں کی جب ہم یہ حالت دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کے حال پہ رونا آتا ہے، پس ہمارے لیے واجب ہے کہ ان کے حال پہ رحم کرتے ہوئے ان کی طرف مکمل توجہ دیں۔

باقی رہے تعلیمی ادارے، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں وغیرہ تو ان کا ماحول دیکھنے کے بعد ان پہ تو بدرجہ اولیٰ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے، کیونکہ ان اداروں میں پڑھنے والے طلباء کا مقصد فقط ڈگری اور بعد میں کسی نوکری کا حصول ہوتا ہے، بہت ہی کم ایسے طلاب ہوتے ہیں جو اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ اپنی قوم کو مغرب کی غلامی سے آزاد کرایا جا سکے، شاذ و نادر ہی کوئی ایسا طالب علم ملتا ہے جو اسلامی ممالک اور ان سے وابستہ امور کی باگ ڈور واپس اپنے ہاتھوں میں لینے کے بارے میں سوچتا ہو یا تعلیمی میدان میں اس لیے محنت کرتا ہو تاکہ اپنی قوم کو خود کفالت کی منزل تک پہنچائے۔

ناجانے کب! وہ سورج طلوع ہو گا جو ظلمتوں سے بھری اس تاریک شب کا خاتمہ کر ڈالے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی اسلامی دنیا کو اس عظیم مشکل و مصیبت سے نجات دلوا دے۔

ناجانے کب! ہمارے نوجوان تمام علوم پر عبور حاصل کرنے کے لیے تعلیمی میدان میں سخت محنت کریں گے تاکہ اس کے ذریعے سے پوری دنیا پر قبضہ کیا جا سکے یا کم از کم اسلامی ممالک کو ہی متکبر اور خود غرض طاغوت کے چنگل سے نجات دلائی جا سکے۔

کیا یہ رونے کا مقام نہیں کہ ہم کو پتہ ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے وسائل و ذخائر کو کس طرح استعمال کریں، اور کس طرح ان سے فائدہ حاصل کریں۔

اس سے بڑھ کر بھی کوئی افسوس کی بات ہو سکتی ہے کہ ہم ہر قسم کی معدنیات، تیل اور زرخیز زرعی زمینوں کے مالک ہیں لیکن ہمیں تیل نکالنے کا طریقہ تک نہیں آتا اور نہ ہم اس کے عناصر کو پہچان کر ایک دوسرے سے تمیز دے سکتے ہیں۔

کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ ہمارے نوجوانوں میں سے اگر کوئی کمپیوٹر کے کی بورڈ پر ہاتھ چلانا سیکھ لے یا اسے انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے کسی سے بات کرنا آجائے تو وہ اس پہ بہت فخر محسوس کرتا ہے، اور اسے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ فخر کرنے کا اسے حق حاصل نہیں جو فقط یہ جانتا ہے کہ ٹیلی فون پہ کیسے بات کی جاتی ہے، بلکہ فخر کرنے کا حق تو اسے ہے جس نے اسے بنایا اور ایجاد کیا ہے اور اپنی اس ایجاد اور صناعت کے ذریعے پوری دنیا کو اپنا محتاج اور غلام بنالیا ہے۔

یونیورسٹیوں کے طلباء اور مدرسین سے ہونے والی تمام ملاقاتوں کے دوران ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ان معانی اور مقاصد سے بہت دور ہیں، بلکہ ان باتوں کے بارے میں انہوں کبھی سوچا بھی نہیں ہے، شاید وہ مراجع عظام اور مجتہدین کی طرف سے کسی ایسی کرامت کے انتظار میں ہیں کہ جو ناممکن کو پلک جھپکتے ہی ممکن بنادے۔

اے میرے مؤمن بھائی! اس بات کو ذھن نشین کرلو کہ تم امام المنتظر علیہ السلام (ہماری جانیں ان پر قربان ہوں) کے جلد ظہور کی خواہش اور اشتیاق تو رکھتے ہو لیکن اگر تم کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو تو تمہیں علم ہو گا کہ تم دنیا کے طمع اور وقتی راحت وسکون کے حصول کی خاطر امام المنتظر عجل اللہ فرجہ کے ظہور کا انتظار کرتے ہو کیونکہ تم نے کہیں سے سن یا پڑھ رکھا ہے کہ امام الحجۃ (عجل اللہ فرجہ) کی حکومت کے زیر سایہ پوری زمین کو عدل الٰہی سے بھر دیا جائے گا۔

اے بندۂ مؤمن تم خوابِ غفلت میں ہو، تم بغیر کسی حرکت و کوشش کے راحت وسکون کے وسائل حاصل کرنا چاہتے ہو، لیکن زمانۂ ظہور میں قطعاً ایسا نہ ہو گا بلکہ حضرت امام الحجۃ (عجل اللہ فرجہ) اپنے جدِ امجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہم سے جُہد، عمل اور سعی کا مطالبہ کریں گے۔

اے مؤمن یاد رکھو کہ جو اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرتا عدل اس پر بہت گراں گزرتا ہے، پس ہم پر واجب ہے کہ سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کریں اور پھر دعا میں غور وفکر اور پوری دنیا میں عدل وانصاف پھیلانے کی کوشش کریں۔

سوال نمبر ۱۱: یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی قول یا روایت میں اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے تواتر قطعی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس مقام پر ہمیں ایک حقیقی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اہل سنت بھی عدم ولادتِ امام مہدی علیہ السلام پر تواتر کا دعویٰ کرتے ہیں، اب اس مشکل کو کیسے حل کیا جائے؟ کیا یہ تواتر اہل سنت کے نزدیک حجت ہے؟

جواب: تحقیق کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی مسئلہ یا قضیہ میں چھان بین اور تحقیق کے دوران اپنے ذھن کو منفی رجحانات مثلاً بغض، حسد اور نفاق وغیرہ سے پاک رکھے، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت میں سے جتنے بھی افراد نے امام مہدی علیہ السلام کے عدم ولادت کا دعویٰ کیا ہے ان میں سے کوئی بھی اس میزان ومعیار پر پورا نہیں اترتا، بلکہ ان سب سے اولادِ علی علیہ السلام وبتول علیھا السلام کے ساتھ بغض وحسد اور تعصب کی بو آتی ہے، پس وہ حضرت امام المنتظر علیہ السلام کے قضیہ کو غیر جانبدارانہ نظر سے نہیں دیکھتے اور جب ان کا دل بغض ونفاق وغیرہ سے خالی نہیں ہو گا تو اس کا نتیجہ وہی کچھ

نکلے گا جو ان کے جھوٹے دعوؤں میں نظر آرہا ہے۔

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ جس خبر کے بارے میں تواتر کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱:۔ پہلی قسم کا تعلق اس خبر کے ساتھ ہے جس میں تواتر کے ذریعے کسی شے کے وجود کو ثابت کیا جاتا ہے۔

۲:۔ دوسری قسم کا تعلق اس خبر کے ساتھ ہے جس میں تواتر کے ذریعے کسی شے کے عدم کو ثابت کیا جاتا ہے۔

اور یہ بات واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وغیرہ بھی نہیں ہے کہ اگرچہ کسی شے کے عدم وجدان (یعنی کسی شے کے نہ ہونے) پہ تواتر ثابت ہو یا ان اخبار کی سند صحیح ہو تب بھی دوسری قسم اکثر ثابت نہیں ہو پاتی، پس جس شے کے عدم وجود پر تواتر کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اگر اس شے کا وجود کسی طرح سے ثابت ہو جائے خواہ کسی معتبر خبرِ واحد کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہو، تو ان دونوں خبروں کے درمیان کسی قسم کا تصادم تصور نہیں کیا جائے گا، جن میں سے ایک تواتر کے ذریعے اس شے کے عدم وجود یا عدم وجدان پر دلالت کرتی ہے اور دوسری اس شے کے وجود کو ثابت کرتی ہے، پس علمائے اہلسنت سے روایات کی ایک بہت بڑی تعداد نقل ہوئی ہے جس کا مفہوم فقط یہ ہے کہ (لم یجد للحسن العسکری علیہ السلام عقباً) یعنی تمام روایات میں فقط یہی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد کا نشان نہیں ملتا اور اس بات سے سوائے اس کے کچھ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ان کو امام مہدی علیہ السلام کے وجود کا علم نہ تھا اور ان روایات میں سے کسی کا بھی سلسلہ امام عسکری علیہ السلام یا حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے نہیں ملتا، اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کا عدم وجود ان کے والدین کے اعتراف سے ہی ثابت ہو سکتا ہے، پس ایک طرف تو اسی بناء پر اہلسنت کی طرف سے تواتر کا دعویٰ چاہے صحیح بھی ہو تب بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ میدانِ بحث میں امام علیہ السلام کے وجود پر قائم شدہ دلیلوں کا غالب آنا لازم ہے۔

دوسری جانب تواتر کے ذریعے امام مہدی علیہ السلام کی ولادت ثابت ہے اور روایات میں ان افراد کی ایک بڑی تعداد کا ذکر بھی موجود ہے جنہوں نے بچپنے سے لے کر غیبتِ صغریٰ کی انتہا تک مختلف مواقع پہ امام علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور اس غیبتِ صغریٰ کی انتہا ان چار نائبین میں سے آخری کی وفات پہ ہوئی جو امام علیہ السلام کی طرف سے نامزد کردہ سفیر تھے اور امام علیہ السلام اور ان کے شیعوں کے درمیان واسطہ تھے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر بہت سے ایسے علمائے اہلسنت ہیں جنہوں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کا اقرار و اعتراف کیا ہے، ان میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱:۔ ابن حجر الہیثمی کتاب "الصواعق المحرقۃ" میں اہلِ اطلاع سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے "ان عمر الامام المنتظر عند وفاۃ ابیہ خمس سنین لکن اتاہ اللہ فیھا الحکمۃ"

ترجمہ: "حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی عمر ان کے والد کی وفات کے وقت پانچ سال تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عمر میں ہی علم و حکمت سے سرفراز کیا"

۲:۔ ابن خلکان کتاب "وفیات الاعیان" میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی سیرت و تعارف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے "ابو محمد حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ الرضا بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم احد آئمۃ الاثنا عشر علی اعتقاد الامامیۃ وھو

والد المنتظر صاحب السرداب ویعرف بالعسکری وابوه علی ایضاً یعرف بھذہ التسمیۃ"

ترجمہ: "ابو محمد حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسی الرضا بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم شیعہ امامیہ کے اعتقاد کے مطابق بارہ اماموں میں سے ایک امام ہیں اور یہی حضرت امام المنتظر علیہ السلام صاحب سرداب کے والد ہیں اور عسکری کے نام سے معروف ہیں اور ان کے والد حضرت علی نقی علیہ السلام بھی اسی نام سے معروف تھے"

۳:۔ کتاب "منتخب الاثر" میں مذکور ہے "ذکر ابن شحنۃ الحنفی فی تاریخہ المسمیٰ بروضۃ المناظر فی اخبار الاوائل، وولد لھذا الحسن یعنی الحسن العسکری ولدہ المنتظر الثانی عشر ویقال لہ المھدی والقائم والحجۃ محمد ولد فی سنۃ خمس و خمسین ومائتین .... وکان عمرہ عند وفاۃ ابیہ خمس سنین"

ترجمہ: "ابن شحنۃ الحنفی اپنی تاریخ کہ جس کا نام "روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل" ہے، میں رقمطراز ہے اسی حسن یعنی حسن عسکری علیہ السلام کے ہی بیٹے المنتظر علیہ السلام ہیں جو کہ بارہویں امام ہیں، انہیں المھدی علیہ السلام القائم علیہ السلام اور الحجۃ علیہ السلام کہا جاتا ہے، م۔ح۔م۔د (مہدی علیہ السلام) ۲۵۵ ھجری میں پیدا ہوئے .... ان کے والد (حسن عسکری علیہ السلام) کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ سال تھی"

۴:۔ ابن الصباغ المالکی کتاب "الفصول المھمۃ" میں لکھتا ہے "ولد ابو القاسم محمد الحجۃ ابن الحسن الخالص بسر من رای فی لیلۃ النصف من شعبان سنۃ خمس و خمسین ومائتین للھجرۃ ثم ساق نسبہ الشریف من جہۃ ابیہ الی سید الشھداء الحسین بن علی بن ابی طالب علیھم السلام و اما امہ فام ولد یقال لھا نرجس خیر امۃ وقیل اسمھا غیر ذلک واما کنیتہ فابو القاسم واما لقبہ فالحجۃ والمھدی والخلف الصالح والقائم المنتظر والصاحب الزمان واشھرھا المھدی"

ترجمہ: "ابوالقاسم "م۔ح۔م۔د" الحجۃ ابن حسن الخالص علیہما السلام سر من رای یعنی سامرہ میں پندرہ شعبان کی رات ۲۵۵ ھجری کو پیدا ہوئے۔ ان کا نسب مبارک والد کی طرف سے حضرت سید الشھداء امام حسین ابن علی ابن ابی طالب علیھم السلام سے ملتا ہے۔ ان کی والدہ ام ولد ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نرجس سب سے افضل اور نیک کنیز ہیں اور ایک قول کے مطابق ان کا اس (نرجس) کے علاوہ بھی کوئی نام ہے اور امام علیہ السلام کی کنیت ابو القاسم ہے اور ان کے القاب" الحجۃ علیہ السلام، مہدی علیہ السلام، خلف الصالح علیہ السلام، القائم، المنتظر علیہ السلام اور صاحب الزمان علیہ السلام" ہیں، اور ان میں سے جو لقب مشہور ہے وہ المہدی ہے"

۵:۔ محدث نوری اپنی کتاب "کشف الاستار عن وجہ الغائب عن الابصار" میں لکھتے ہیں کہ ابی سالم کمال الدین محمد بن طلحہ بن محمد الشافعی اپنی کتاب مطالب السؤول میں رقمطراز ہیں "ابو القاسم محمد بن الحسن الخالص بن علی المتوکل بن محمد القانع بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی المرتضی امیر المومنین بن ابی طالب المھدی الحجۃ الصالح المنتظر علیھم السلام"

ترجمہ: "ابوالقاسم محمد بن الحسن الخالص بن علی المتوکل بن محمد القانع بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی المرتضی امیر المومنین بن ابی طالب" ہی مہدی الحجۃ الصالح اور المنتظر ہیں"

۶:۔ اسی طرح "کشف الاستار" میں حافظ ابو الفتح محمد ابن ابی الفوارس الشافعی اور اس کے علاوہ دوسرے افراد سے منقول اہلسنت کے تیس (۳۰) سے زیادہ اکابر علماء اور محققین کے اقوال درج ہیں، جن میں وہ حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی ولادت کا اقرار کرتے ہیں۔ (۱)

پس ان اقوال کے ہوتے ہوئے حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی ولادت اور ان کے وجود مبارک میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۱) ۔۔۔ اہلسنت کے جو علماء اور محققین امام مہدی(عج) کی ولادت کو تسلیم کرتے ہیں اور جن کتابوں میں ان کا ذکر موجود ہے، ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:۔(مترجم)

*۔۔۔ علامہ الشیخ شمس الدین محمد بن طولون الدمشقی الحنفی

کتاب۔۔۔ شذورات الذہبیۃ فی تراجم الآئمۃ اثناعشریۃ۔۔۔ صفحہ ۱۱۷۔۔۔ طبع بیروت

*۔۔۔ علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ الشامی الشافعی

کتاب۔۔۔ مطالب السؤول۔۔۔ صفحہ ۸۹۔۔۔ طبع تہران

*۔۔۔ علامہ ابن خلقان

کتاب۔۔۔ وفیات الاعیان۔۔۔ جلد ۱۔۔۔ صفحہ ۵۷۱۔۔۔ طبع بولاق مصر (جلد ۳۔۔۔ صفحہ ۳۱۶۔۔۔ طبع قاہرہ مصر)

*۔۔۔ علامہ سبط ابن الجوزی

کتاب۔۔۔ تذکرۃ الخواص۔۔۔ صفحہ ۲۰۴۔۔۔ طبع تہران

*۔۔۔ علامہ ابن الصباغ المصری

کتاب۔۔۔ فصول المہمۃ۔۔۔ صفحہ ۲۷۴۔۔۔ طبع الغری

*۔۔۔ علامہ ابن حجر الہیثمی

کتاب۔۔۔ الصواعق المحرقہ۔۔۔ صفحہ ۱۲۴۔۔۔ طبع مصر (طبع قاہرہ۔۔۔ صفحہ ۲۰۸)

*۔۔۔ علامہ الشیخ عثمان العثمانی

کتاب۔۔۔ تاریخ الاسلام والرجال۔۔۔ صفحہ ۳۷۰

*۔۔۔ علامہ الحمزاوی

کتاب۔۔۔ مشارق الانوار۔۔۔ صفحہ ۱۵۳۔۔۔ طبع مصر (طبع الکاشیلہ۔۔۔ جلد ۱۔۔۔ صفحہ ۱۸۹)

*۔۔۔ علامہ السالک عبد الرحمٰن بن محمد بن حسین بن عمر باعلوی مفتی الدیار الحضرمیۃ

کتاب۔۔۔ بغیۃ المسترشدین۔۔۔ طبع مصر۔۔۔ صفحہ ۲۹۶ (طبع مصر۔۔۔ صفحہ ۲۳۸)

*---علامہ الشبلنجی

کتاب---نور الابصار---صفحہ ۲۲۹---طبع عثمانیہ مصر (طبع مصر---صفحہ ۱۸۷)

*---علامہ الشیخ عبداللہ بن محمد بن عامر الشبراوی الشافعی المصری

کتاب---الاتحاف بحب الاشراف---صفحہ ۶۸---طبع مصر

*---العارف عبد الرحمان

کتاب---مرآۃ الاسرار---صفحہ ۳۱

*---علامہ سید عباس بن علی المکی

کتاب---نزھۃ الجلیس---جلد ۲---صفحہ ۱۲۸---طبع قاہرہ (طبع نجف---صفحہ ۱۹۷)

*---علامہ قندوزی الحنفی

*---الشیخ احمد الجامی

*---الشیخ العارف ابراہیم قادری الحلبی

*---الشیخ عبد الرحمٰن البسطامی

*---العارف الشیخ صدر الدین القونوی

*---الشیخ جلال الدین الرومی

*---السید نعمۃ اللہ الولی

*---السید نسیمی

کتاب---ینابیع المودۃ---(مصنف---العابد الشیخ سلیمان ابن خواجہ کیلان الحسین قندوزی البلخی)

*---علامہ الابیاری

کتاب---جالیۃ الکدر فی شرح المنظومۃ البرزنجی---صفحہ ۲۰۷---طبع مصر

*---علامہ البدخشی

کتاب---مفتاح النجا---صفحہ ۱۸۹

*---نور الدین عبد الرحمٰن الدشتی الجامی الحنفی

کتاب---شواہد النبوۃ---صفحہ ۲۱---طبع بغداد

*۔۔۔علامہ المولوی محمد مبین الھندی

کتاب۔۔۔وسیلہ النجاۃ۔۔۔صفحہ ۴۲۰۔۔۔طبع گلشن فیض لکھنؤ

*۔۔۔علامہ الحافظ محمد بن محمد بن محمود البخاری الحنفی (خواجہ پارسای)

کتاب۔۔۔فصل الخطاب۔۔۔صفحہ ۳۸۷۔۔۔طبع اسلامبول

*۔۔۔ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد الکنجی الشافعی

کتاب۔۔۔البیان فی اخبار صاحب الزمان

*۔۔۔الشیخ الاکبر محی الدین رأس اجلاہ العارفین ابو عبد اللہ محمد بن علی ابن محمد بن عربی الحاتم الطائی الاندلسی

کتاب۔۔۔الفتوحات۔۔۔باب السادس والستین وثلاثماءۃ

*۔۔۔الشیخ العارف الخبیر ابو المواھب عبد الوھاب بن احمد بن علی الشعرانی

کتاب۔۔۔الیواقیت

*۔۔۔الشیخ حسن العراقی

کتاب۔۔۔لواقح الانوار فی طبقات الاخیار۔۔۔جزء ۲۔۔۔طبع مصر۔۔۔سنہ ۱۳۰۵

*۔۔۔شیخ العارف علی الخواص البراسی

کتاب۔۔۔لواقح الانوار فی طبقات الاخیار

*۔۔۔حافظ ابوالفتح محمد بن ابو الفوارس

کتاب۔۔۔اربعینہ

*۔۔۔ابو المجد عبد الحق الدہلوی البخاری

کتاب۔۔۔المناقب واحوال الآئمۃ الاطہار علیہم السلام

*۔۔۔السید جمال الدین عطاء اللہ بن السید غیاث الدین فضل اللہ بن السید عبد الرحمٰن

کتاب۔۔۔روضۃ الاحباب

*۔۔۔الحافظ ابو محمد احمد بن ابراہیم بن ہاشم الطوسی البلاذری

کتاب۔۔۔النزھۃ۔۔۔(مصنف۔۔۔عبد العزیز المعروف شاہ صاحب)

کتاب۔۔۔المسلسلات (الفضل المبین)۔۔۔(مصنف۔۔۔شاہ ولی اللہ دہلوی)

*---الشیخ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن الخشاب

کتاب---تواریخ موالید الآئمۃ ووفیاتھم

*---شھاب الدین بن شمس الدین بن عمر الھندی المعروف ملک العلماء

کتاب---ہدایۃ السعداء

*---محدث علی المتقی بن حسام الدین بن القاضی عبد الملک ابن قاضی خان القرشی

کتاب---المرقاۃ شرح المشکات

کتاب---البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان

*---العالم المعروف فضل بن روزبہان

کتاب---ابطال الباطل

*---صلاح الدین الصفدی

کتاب---شرح الدائرۃ

*---الشیخ المحدث محمد بن ابراہیم الجیوینی الحموینی الشافعی

کتاب---فرائد السمطین

*---المولوی علی اکبر بن اسد اللہ المؤودی الھندی

کتاب---المکاشفات

*---العارف عبد الرحمٰن

*---الشیخ العارف سعد الدین محمد بن المعید بن ابی الحسین بن محمد بن حمویۃ

کتاب---مرآۃ الاسرار

*---الفاضل القاضی جواد الساباطی

کتاب---البراہین الساباطیہ

*---العارف الشیخ جلال الدین الرومی

کتاب---دیوان الرومی

*---الشیخ العارف محمد المعروف الشیخ عطار

کتاب۔۔۔ مظہر الصفات

*۔۔۔ العالم العارف السید علی بن شہاب الدین الہمدانی

کتاب۔۔۔ مودۃ فی القربٰی

*۔۔۔ الفاضل البارع عبد اللہ بن محمد المطیری الشافعی

کتاب۔۔۔ ریاض الزاہرۃ فی فضل آل بیت النبی وعترت الطاہرہ (صلوات اللہ علیہم)

*۔۔۔ شیخ الاسلام ابو المعالی محمد سراج الدین

کتاب۔۔۔ صحاح للاخبار فی نسب السادۃ الفاطمیۃ الاخیار

*۔۔۔ الشیخ العلامۃ محمد الصبان المصری

کتاب۔۔۔ اسعاف الراغبین

سوال ۱۲: وجودِ امام علیہ السلام پہ پیش کی جانے والی اہم ترین عقلی ادلہ میں سے ایک قاعدۂ لطف بھی ہے اور وہ اس طرح سے کہ کسی نظام اور قانون کے بغیر درجۂ کمال تک نہیں پہنچا جا سکتا اور اس نظام کو چلانے کے لیے امام کی موجودگی نہایت ضروری ہے، پس امام کا وجود اللہ تعالی کی طرف سے لطف اور راہِ کمال پر گامزن رکھنے کا ذریعہ ہے، لیکن ہماری معلومات کے مطابق آیت اللہ العظمٰی السید خوئی (قدس سرہ) قاعدۂ لطف کو تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ اس پہ بعض اعتراضات اور اشکالات وارد ہوتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ سید خوئی کے علاوہ بھی بعض دوسرے افراد اس قاعدۂ لطف کو تسلیم نہ کرتے ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے مندرجہ بالا گفتگو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امام علیہ السلام کے وجود پر دلیل کی حیثیت سے قاعدۂ لطف کی کیا اہمیت ہے؟ اور کیا قاعدۂ لطف کے علاوہ بھی ہمارے پاس اس قسم کی کوئی اور دلیل موجود ہے کہ جس سے امام علیہ السلام کے وجود کو ثابت کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اس موضوع پہ مندرجہ ذیل نکات کے ضمن میں گفتگو ہو سکتی ہے:

۱: نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ہر زمانے میں ایک معصوم امام اور حجت کے وجود کو قاعدۂ لطف کے ذریعے ثابت کرنا اس بات پہ موقوف ہے کہ مدِ مقابل کا تعلق فِرقِ عدلیہ سے ہو، کیونکہ عدلیہ قاعدۂ لطف کے قائل ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو بغیر کسی معصوم ہادی و امام کے چھوڑ دے، پس اس بنیاد پر تو قاعدۂ لطف کے ذریعے وجودِ امام کا ثابت کرنا درست ہے، لیکن اگر مدِ مقابل قاعدۂ لطف کا قائل نہ ہو تو مقامِ اثبات میں اسے دلیل بنانا مفید نہیں ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو قاعدۂ لطف کے تو قائل ہیں لیکن وجودِ امام پر اس کے دلیل بننے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے استدلال ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ اس پہ اعتراضات و اشکالات وارد ہوتے ہیں۔

۲: دلیلِ عقلی کے ذریعے امام علیہ السلام کے وجود کو ثابت کرتے وقت اس بات کو مدِ نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ جو اشخاص علمی مباحث میں فقط سطحی قسم کی معلومات رکھتے ہیں وہ حکمِ عقلی اور حکمِ عقلائی میں تمیز نہیں کر سکتے، پس جس حکم کی بنیاد اولی بدیہی (مثلاً دو نقیضوں کے درمیان جمع محال و ممتنع ہے) پر نہ ہو اور عقلاء اس کے درست ہونے کو درک کریں تو یہ حکم عقلائی ہو گا، عقلی نہیں ہو گا، اور حکمِ عقلائی کا درست ہونا ممارست، مشق، تمرین اور اصلاحِ نفس پر موقوف ہے۔

حکمِ عقلی اور عقلائی میں تمیز نہ ہونے کے سبب جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مباحثہ اور مناظرہ کے دوران دونوں طرف سے ایک ہی شے کے اثبات اور نفی میں بداہت اور ضرورہ کا دعویٰ کر دیا جاتا ہے، پس ضروری ہے کہ علماء کے کلام اور عبارات میں غور و فکر کیا جائے، تا کہ ناظر اس کے اصلی مطلب و مقصد سے دور نہ جائے۔

۳: جو ادلہ بھی اس موضوع کے ذیل میں پیش کی جائیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقلائی ہوں، عقلی نہ ہوں، اس طریقہ کار کے مطابق کہ جس کی طرف ہم گزشتہ سطور میں اشارہ کر چکے ہیں اور بحث کے دوران اس کو مدِ نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

۴: جب بھی ہم مدِ مقابل کے نظریہ کو باطل کرنے کے لیے عقلائی دلیل پیش کرنا چاہیں تو اس میں ضروری ہے کہ مستقلاتِ عقلائیہ کو اس کے لیے بنیاد نہ بنایا جائے بلکہ مدِ مقابل جن چیزوں کو تسلیم کرتا ہے انہی کو بنیاد بنا کر اس سے بحث کی جائے، اور اس کی تسلیم شدہ باتوں کو دلیل کے طور پر پیش کیا جائے اور اس کی تفصیل و تشریح کچھ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور قرآنِ مجید کی آیاتِ مبارکہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ظلم کا صدور پسند نہیں کرتا، پس ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ معصوم کے علاوہ کسی کے لیے بھی ظلم کا خاتمہ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ معصوم کے علاوہ کسی کے بارے میں بھی یہ ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ظلم نہیں کرے گا، باقی رہا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو ظلم کرنے سے روکے تو اس طرح ظلم ختم ہو سکتا ہے اور اسی طرح حکمران کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے افراد ہوں تو وہ ظلم کا ارتکاب نہیں کر پائے گا، لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ اس سے دَور یا تسلسل لازم آتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ انسانی ذہن اور وجدان بھی اس بات کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ آج تک جتنے بھی قواعد و قوانین بنائے گئے اور ان کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ سب نہایت عادلانہ قوانین ہیں، یا پھر جتنی بھی کمیٹیاں حاکم کو غلط تصرفات سے باز رکھنے کے لیے بنائی گئیں ان میں سے کوئی بھی دنیا سے بلکہ ایک منطقہ سے بھی ظلم و فساد نہ ختم کر سکی، بلکہ شاید ان کی وجہ سے ظلم و جور میں مزید اضافہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ امامیہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حاکمِ مطلق کے لیے ضروری ہے کہ وہ معصوم ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب شدہ اور مقرر کردہ ہو، کیونکہ ایسے معصوم حکمران کی تعیین و انتخاب سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں کر سکتا۔

اور اگر ہم چاہیں کہ صحیح قواعد و ضوابط اور موازینِ عدلیہ کے مطابق اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کریں تو اس کا طریقہ یہ ہو سکتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ ظلم قبیح ہے اور اسی طرح ظلم پر راضی رہنا بھی قبیح ہے اور ظلم کا باقی اور مستمر رہنا بھی ظلم کے صدور کی طرح قبیح ہے، اور اس بات کا حکم عقل اور عقلاء دونوں ہی دیتے ہیں اس کا ذکر حسن و قبح عقلی اور حسن و قبح عقلائی میں ملتا ہے، جیسا کہ خدا نے ظلم پر راضی ہونے کی قباحت پر تنبیہ کے طور پر سورۃ البروج میں فرمایا" قتل اصحاب الاخدود O النار ذات الوقود O وھم علی مایفعلون بالمومنین شھود O ترجمہ: " اصحاب اخدود اس حال میں قتل کیے گئے تھے کہ وہ ان خندقوں کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے اس کا تماشہ دیکھ رہے تھے"

اس وقت دنیا میں ظلم کی موجودگی کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے اور یہ سب کچھ فقط عصمت کی عدم موجودگی اور دنیاوی و نفسانی خواہشات کی طرف رغبت کا نتیجہ ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنی تمام تر خواہشاتِ نفسانی اور ہوا و ہوس پر قابو بھی کر لے لیکن پھر بھی اسے روحِ قدس کی حمایت تو حاصل نہ ہو گی، اور نہ ہی اسے وحی الٰہی یا الہام جیسے وسائل میسر ہوں گے، پس ایک عام انسان جو خواہشاتِ نفسانی پر تو قابو رکھتا ہے لیکن چونکہ اسے وحی، الہام اور روحِ قدس کی مدد حاصل نہیں ہے تو اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ وہ اپنی کم علمی اور محدود وسائل کی وجہ سے خطا کا شکار ہو جائے گا چاہے وہ اول سے آخر تک کہیں بھی خطا کرنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا، لیکن اگر کوئی جان بوجھ کر اور ارادتاً خطا کا مرتکب ہو تو اس کے نہایت بھیانک نتائج برآمد ہوتے ہیں، چاہے یہ خطا ابتدائی اور بنیادی مراحل میں ہی کیوں نہ ہو، پس اسی بناء پر قادرِ مطلق کے لیے ضروری ہے کہ وہ ظلم کا قلع قمع کر دے اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکے، اور یہ کام ایک ایسے معصوم امام کی موجودگی کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا جو قوانین و ضوابط بنائے اور ان کی بنیاد پر ایک ایسا عظیم

معاشرہ اور ایک ایسی عظیم سلطنت تشکیل دے جس کی خاطر انبیاء وصالحین نے اس قدر محنت کی اور مشکلات برداشت کیں، اور جس کے حصول کی خاطر شہداء نے اپنے خون کے نذرانے پیش کیے اور جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے "لیظھرہ علی الدین کلہ" ترجمہ: "عنقریب اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دے گا"

سوال ۱۳: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ روایات جو امام المنتظر علیہ السلام کی ولادت پہ دلالت کرتی ہیں ان کی سند ضعیف ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس طرح مدِ مقابل کے سامنے ان تاریخی اور عقائدی روایات کو پیش کریں جب کہ ان میں سند کے حوالے سے خلل موجود ہے، کیا ہم ان روایات کو بھی احکام شرعیہ والی روایات کی طرح صحیح، موثق، حسن اور ضعیف میں تقسیم کر سکتے ہیں؟

جواب: جس روایت کی سند کو دیکھا جاتا ہے وہ" خبرِ واحد" ہے اور وہ روایات جن میں امام المنتظر علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے وہ روایات متواترہ ہیں، یعنی بہت زیادہ ہیں، جن کو علماء نے حدیث اور روایات کی کتابوں میں ذکر کیا ہے، مثلاً شیخ صدوق نے اپنی کتاب "اکمال الدین واتمام النعمۃ" میں، علامہ مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الانوار" میں، اور ان دونوں کے علاوہ اس میدان میں کام کرنے والے بہت سے مجاہد علماء نے ان روایات کے ذریعے اپنی کتابوں کو زینت بخشی ہے، پس ان روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں امام المنتظر علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ملتا ہے اور میں سوال نمبر ۱۱ کے جواب میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ سنی علماء میں سے بہت سے ایسے ہیں جو امام علیہ السلام کی ولادت پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کو ثابت بھی کیا ہے، پس امام المنتظر علیہ السلام کی ولادت دن کے درمیانی حصہ میں آفتاب کی مانند ہے، بلکہ مینار پر آگ کی مانند روشن اور واضح ہے، لیکن ہم اس شخص کے بارے میں کیا کر سکتے ہیں جس کی بینائی ختم ہو چکی ہو اور اس کی آنکھیں حق سے کینہ اور اہل بیت علیہم السلام سے حسد و بغض کی وجہ سے حقیقت کو نہ دیکھنا چاہتی ہوں، ان لوگوں کی آنکھیں تو اندھی نہیں، لیکن ان کے سینوں میں موجود دل اندھے ہو چکے ہیں۔

سوال ۱۴: کچھ ایسی روایات ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا نام مبارک لینا حرام ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر ان کا نام لیا جائے تو اس کی وجہ سے ظالموں کے ہاتھوں امام علیہ السلام کی گرفتاری یا ان کی شہادت کا ڈر ہے، اب اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱:۔ ان روایات کی سند کے حوالے سے کیا حیثیت ہے؟

۲:۔ اگر روایات میں امام علیہ السلام کا نام لینے سے منع کرنے کی وجہ گرفتاری وغیرہ کا ڈر ہے تو کیا جب اس قسم کا کوئی ڈر، خوف یا خدشہ نہ ہو تو امام علیہ السلام کا نام لینا حرام نہیں ہوگا؟ یا کیا یہ نام نہ لینے کا حکم تعبّدی ہے، جس کا کسی زمانے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں؟

۳:۔ ہم کس طرح یہ بات سمجھیں اور تسلیم کریں کہ آئمہ علیہم السلام نے ان کا نام نہ لینے کا حکم دیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا نام ہر ایک جانتا ہے، حتیٰ

کہ ان کے دشمن بھی ان کے نام سے واقف ہیں، پس رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امام مہدی علیہ السلام کی بشارت دی اور فرمایا "اسمہ اسمی وکنیتہ کنیتی" یعنی اس کا نام میرے نام پہ اور اس کی کنیت میری کنیت پہ ہو گی، پس ہر ایک کو ان کا نام معلوم ہونے کے باوجود ان کے نام کو مخفی رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: جن روایات میں ولی اللہ الاعظم حضرت امام مہدی علیہ السلام کا نام نہ لینے کا حکم دیا گیا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور اس کثرتِ تعداد کی بنیاد پر ہم تواترِ اجمالی یا تواترِ معنوی کا آسانی سے دعویٰ کر سکتے ہیں، اور یہی چیز ہمیں ہر ہر روایت کی سند دیکھنے سے بے نیاز کر دیتی ہے، کیونکہ اس تواتر اور روایات کی کثرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان میں سے بعض روایات کی سند صحیح ہے، پس جب یہ روایات متواترہ ہیں تو اس بات میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا کہ امام علیہ السلام کا نام مبارک نہ لینے کا حکم ثابت ہے، البتہ باقی رہا یہ کہ آیا یہ حکم کسی خاص علت یا وجہ کی بناء پر ہے یا دشمنوں کی طرف سے امام علیہ السلام کی تلاش، گرفتاری یا شہادت وغیرہ کے خوف وخدشہ کے ساتھ یہ حکم مربوط ومقید ہے، یعنی جب اس قسم کا خوف نہ ہو تو نام نہ لینے کا حکم ختم ہو جائے گا۔

پس ضروری نہیں کہ امام علیہ السلام کے نام کے ذکر سے منع کرنے کی یہ وجہ ہو، خصوصاً جب کہ اخبار میں صراحتاً بیان کر دیا گیا ہے کہ ان کا نام وہی ہے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام ہے اور امام علیہ السلام کی کنیت اور لقب تو چھوٹے، بڑے، مومن، کافر، دوست، دشمن ہر ایک کے درمیان معروف ہے، اور یوں بھی جب کوئی امام علیہ السلام کی تلاش میں نکلا ہوا ظالم ان سے ان کے نام کے بارے میں سوال کرے تو وہ اپنے اس مخصوص نام کے علاوہ اپنے بہت سارے اسماء میں سے کوئی ایک نام بتا سکتے ہیں، اور وہ اس طرزِ عمل کے ذریعے ظالموں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

پس جو شخص بھی امام علیہ السلام کا نام مبارک جانتا ہے اس کے لیے ان کا نام نہ لینے کا حکم تعبّدی ہے، لیکن امام علیہ السلام نے خود اپنے نام مبارک کو بیان فرمایا ہے اور ان کے علاوہ بہت سے علمائے نسب اور علمائے تاریخ نے بھی اسے ذکر کیا ہے کہ امام علیہ السلام کے والد کی کنیت ابو محمد ہے۔

باقی رہی یہ بحث کہ امام علیہ السلام کے اسم مبارک کو مخفی رکھنے کا کیا فائدہ ہے تو جب ہم کہہ چکے کہ ان کا اسم مبارک نہ ذکر کرنے کے بارے میں حکم تعبّدی ہے تو پھر یہ بحث کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا نام مبارک مخفی رکھنے کے بہت فوائد ہیں جن میں، ان کے نام مبارک کی ہیبت اور احترام میں اضافہ بھی شامل ہے، یعنی جس طرح خود امام علیہ السلام غائب اور مخفی ہیں اسی طرح ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ان کے نام کو بھی مخفی رکھیں، تاکہ لوگ ان کی ذات کی طرح، بلکہ ان کی ذات سے بھی پہلے ان کے نام مبارک کے شائق اور مشتاق رہیں، اس کے علاوہ اس کے اور بھی فوائد کا فرض کرنا ممکن ہے۔

سوال ۱۵: آج کل ایک ایسا شخص موجود ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں امام علیہ السلام کا وکیل اور نمائندۂ خاص ہوں، اور امام علیہ السلام سے بالمشافہ ملتا رہتا ہوں، اور بعض لوگ اس شخص کی تصدیق واتباع بھی کرتے ہیں، اب اس بارے میں آپ کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب: امام علیہ السلام کے وہ اوامر اور فرامین جو ہم تک ان کے خاص اصحاب کے ذریعے پہنچے ہیں، ان میں امام علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ جب سے غیبتِ کبریٰ وقوع پذیر ہوئی ہے اس وقت سے امام علیہ السلام اور ان کے شیعوں کے درمیان وکالت، سفارت اور نمائندگی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، پس اب جو شخص بھی اس بات کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ میں وکیل خاص ہونے کی حیثیت سے امام علیہ السلام کو ملتا رہتا ہوں، یا جو یہ کہتا ہے کہ میں امام علیہ السلام کا سفیر ہوں اور براہِ راست امام علیہ السلام سے اوامر اور نواہی لیتا ہوں، تو یہ دعوی کرنے والا شخص جھوٹا، فاسق اور شر وفساد کی جڑ ہے، اور یہ شخص امام علیہ السلام پر بہتان باندھتا ہے، پس ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے اس شخص کو جھٹلائے اور اسے عوام کے درمیان بدنام کرے تاکہ مسلمان اس شخص کے شر سے محفوظ رہ سکیں، اگر حاکمِ شرعی کے لیے ممکن ہو تو اس کے لیے واجب ہے کہ اس شخص پر حد جاری کرے اور اس کو سزا دے، اسی طرح ان لوگوں پر بھی حد جاری کرے جو لوگ اس کی تصدیق کرتے ہیں، البتہ عوام میں سے بعض لوگوں کا اس شخص کی وجہ سے دھوکا کھانا اور اس کی تصدیق واتباع کرنا کوئی حیران کن بات نہیں ہے، عوام کا تعلق چاہے کسی زمانے سے ہو، عوام آخر عوام ہوتی ہے، قرآنِ مجید میں واقعہ موجود ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی موجودگی کے باوجود یہودی سامری کے بچھڑے کی پوجا کرنا شروع ہو گئے، اور اسی طرح لوگوں نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اشرف المخلوق حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے سرگرداں ہو کر ان افراد کی بیعت کر لی جن کا حضرت علی علیہ السلام سے مرتبہ اور فضائل میں قطعاً کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا، لیکن افسوس زمانہ آخر زمانہ ہی ہے۔

سوال١٦: انسان عملی حوالے سے امام مہدی علیہ السلام سے کس طرح رابطہ قائم کر سکتا ہے؟

جواب: امام مہدی علیہ السلام سے رابطہ ممکن ہے، اور شریعت نے بھی ہم سے اس کا مطالبہ کیا ہے، کیونکہ آخر وہ ہمارے زمانہ کے امام ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق (یوم ندعوا کل اناس بامامھم، یعنی قیامت کے دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے) ہم قیامت کے دن انہی کی قیادت میں محشور ہوں گے اور ہم انہی کی رعیت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اور ہم تمام مومنین انہی کی برکت اور دعا کے صدقہ میں مسلمان ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، بلکہ انہی کی برکت سے زمانے کو رزق ملتا ہے، اور انہی کے صدقے زمین و آسمان قائم ہیں، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "ان اہل بیتی امان لاہل الارض کما ان النجوم امان لاہل السماء، ترجمہ: جس طرح ستارے آسمان والوں کے لیے امان ہیں اسی طرح میرے اہل بیت زمین والوں کے لیے باعثِ امان ہیں"

ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ امام علیہ السلام سے ظاہری طور پر رابطہ منقطع ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے جاری فیض کے چشمے بھی رک چکے ہیں اور ان کی طرف سے ہمارے اوپر لطف و کرم کی بارش بھی بند ہو چکی ہے، نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے، یہ چیز کریم اور سخی کے لیے عیب ہے بلکہ وہ تو ہمارے آبائے طاہرین ہیں، وہ ہر خیر کا مرکز اور ہر رحمت کا منبع ہیں، اور ہم میں سے ہر ایک تک اس کی ظرفیت کے مطابق انعام اور خیر وبرکت کی جو کرن بھی پہنچتی

ہے وہ انہی کے در سے چھوٹتی ہے، پس ہم دیکھتے ہیں کہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے بعض افراد کو معرکہ کربلا میں شامل ہونے سے روک دیا اور بعض افراد کو اس معرکہ کے لیے خود بلایا، اس کی تفسیریوں کی جاتی ہے کہ ہر ایک شخص کے مرتبہ اور اس میں موجود صلاحیت کے اختلاف کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام نے ہر ایک کو مختلف ذمہ داری سونپی، پس اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور اپنے اندر ایسی صلاحیت پیدا کرے جس کے ذریعے وہ فیوضِ ربّانی سے بہرہ مند ہو سکے اور اپنی آنکھوں کو پاک و پاکیزہ کرے، تا کہ وہ آفتابِ امامت کی درخشاں جبیں کی زیارت سے مشرف ہو سکے، ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس راستہ میں سب سے پہلے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے عقیدہ کو اسلام کے بنیادی اصولوں اور ضروریاتِ دین کے ذریعے مضبوط کرے، اور پھر اپنے نفس کو اخلاقِ حسنہ کی تربیت دے اور بری صفات سے چھٹکارا دلائے اور گناہوں سے دوری کا عادی بنائے، اور اس سلسلہ میں وہ علمائے ابرار سے رہنمائی حاصل کرے اور اگر علمائے ابرار تک رسائی نہ کر سکے تو کم از کم ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے، مستحبات اور ہر وہ چیز جو اپنے لیے اختیار کرتا ہے، اس میں اللہ کی رضا اور مرضی کے ذریعے اپنے نفس کو زینت دے، اور اللہ پر توکل اور اعتماد کو طلب کرے، اس کے ذریعے سے ہدایت، معاونت اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی قوت و مدد حاصل کرے، روایات میں وارد ہوا ہے کہ تقویٰ اور جہاد بالنفس کے بغیر کوئی بھی اہل بیت علیہم السلام کی ولایت درک نہیں کر سکتا، اور اسی طرح روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو متقی اور پرہیز گار ہیں۔

ہم پروردگارِ عالم سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے نفوس کی اصلاح فرما، ثقہ اور توکل کی نعمت عطا فرما، ہمارے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ (الٰہی آمین)

سوال ۱۷: جیسا کہ آپ کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ تواترِ روایات اور مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان اجماع اور اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام جب ظہور فرمائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سے علمی اور عقائدی امور ہیں جن کو ہم اس واقعہ سے سمجھ سکتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ایک سنت چلی آرہی ہے کہ وہ ہدایت کے لیے بھیجے گئے انبیاء اور رسولوں میں سے اکثر عظیم القدر انبیاء اور مرسلین کے ساتھ کسی ایسی ہستی کو بھی بھیجتا ہے جو ہستی ان کی تصدیق کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی گئی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے میں ان کی مدد کرے، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی بدولت ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا ناصر و مددگار قرار دیا" واجعل لی وزیراً من اہلی ہارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری ترجمہ: میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر قرار دے اور اس سے میری پشت کو مضبوط کر اور میرے وظیفہ میں اس کو شامل کر"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا کے صدقہ ان کے چچازاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بعثت کے پہلے

ہی سال ان کا مدد گار و معاون قرار دیا، اسی طرح اکثر انبیاء اور رسولوں کے لیے معاون مقرر کیے گئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو معاون بنایا گیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اب تک زندہ رکھا ہے تاکہ وہ اس انتہائی اہم اور مشکل ذمہ داری کو سرانجام دیں، اسی طرح ان کا امام مہدی علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھنا ان لوگوں پر حجت ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں تاکہ وہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پوتے کی اطاعت کریں، اس کے بڑے اور واضح فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے حضرت امام المنتظر علیہ السلام کے موقف اور منشور کو تقویت ملے گی اور وہ فاسقوں اور باطل پرستوں کو ختم کرنے میں امام علیہ السلام کی مدد کریں گے، اور اس بات کی تائید و تاکید کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت امام المنتظر علیہ السلام تک تمام انبیاء و اوصیاء کا ایک ہی دین ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھنا اس آیتِ مجیدہ کی تفسیر و تائید کرتا ہے: " ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین "(سورہ آل عمران)

ترجمہ: "جو بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر عمل کرے گا اس سے اس کا وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گا"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی قیادت اور ان کے جھنڈے تلے کام کرنا شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت اور اشرفیت پر دلالت کرتا ہے اور ان لوگوں کے عقیدے کی نفی کرتا ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امام علیہ السلام کی قیادت میں ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی تائید ہوتی ہے "لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللہ" یعنی "حضرت مسیح علیہ السلام کو ہرگز اس بات سے انکار نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں"

سب سے بڑی بات یہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امام المنتظر علیہ السلام کے لشکر اور انصار میں ہونا ان کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے، کسی بھی سپاہی کی عزت و عظمت اس کے سپہ سالار کی عظمت سے ظاہر ہوتی ہے، اور عوام کی افضلیت اور اشرفیت کا ان کے سلطان کی اشرفیت سے پتہ چلتا ہے۔

یہ ان امور میں سے چند امور تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال ۱۸: سند اور دلالت کے حوالہ سے آپ ان روایات کے بارے میں کیا فرمائیں گے جن میں کہا گیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے والد کا وہی نام ہو گا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا ہے؟ یعنی دونوں کے والد کا نام عبد اللہ ہے، خصوصاً اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ ان روایات کو نا صرف سُنی علماء نے ذکر کیا ہے، بلکہ بعض شیعہ حضرات نے بھی انہیں اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے؟

جواب: یہ روایت (جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت امام المنتظر علیہ السلام کے والد کا وہی نام ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا ہے) مندرجہ ذیل علمی قواعد وضوابط اور موازین کے لحاظ سے درست نہیں:

ا:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے، یا پھر اصلاً مذکور ہی نہیں۔

۲:۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت اُن روایات کی بڑی تعداد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جن میں امام المنتظر علیہ السلام کے شجرۂ نسب کی تعیین کر دی گئی ہے، اور ان میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ سلسلۂ امامت کے بارہویں تاجدار ہیں اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے بیٹے ہیں، حضرت جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "انہ یکون المہدی ھو الخامس من ولد السابع"

ترجمہ: "حضرت مہدی علیہ السلام ساتویں امام (حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام) کی اولاد سے پانچویں امام ہوں گے"

اسی طرح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ امام میرے ہی بیٹے ہیں جو ایک طویل عرصہ تک پردۂ غیبت میں رہنے کے بعد ظاہر ہوں گے۔

پس اس قسم کی روایات اس ایک روایت کو رد کرتی ہیں اور اس کی نفی کرتی ہیں۔

۳:۔ جب اس روایت میں غور و فکر کیا جائے تو علم ہو گا کہ یہ ایک من گھڑت اور جھوٹی روایت ہے

جس کو فقط اس لیے گھڑا گیا ہے اور اس کی نسبت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس لیے دی گئی ہے تا کہ اس کے ذریعے بنی عباس کی حکومت کو مضبوط کیا جا سکے۔

منصور دوانیقی نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح لوگوں کی توجہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد سے ہٹائی جائے، پس اس سلسلہ میں اس نے لوگوں کو یہ باور کروانے کی پوری تگ و دو کی کہ حضرت مہدی علیہ السلام اس کی اولاد میں سے ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ "الصواعقِ المحرقہ" میں ابن حجر ہیثمی نے لوگوں کو گمراہ کرنے اور یہ احتمال دینے کے لیے بہت پاپڑ بیلے ہیں کہ وہی خلیفہ المہدی الموعود ہے جو کہ منصور کی اولاد سے تخت نشین ہوا، اور ابن حجر ہیثمی نے نجانے کتنی جھوٹی صفات کے ذریعے اس کا بدنما چہرہ چھپانے کی کوشش کی ہے، کبھی تو اس کی عدالت و تقویٰ کے گیت گائے، اور کبھی کہا کہ بنی عباس میں اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے بنی امیہ میں عمر بن عبد العزیز کی تھی، لیکن یہ بات واضح ہے کہ اس کی یہ تمام کوشش بیکار گئی، جیسا کہ خود ابن حجر ہیثمی کو ہی ایک شخص نے ان تمام باتوں کے ظاہر بظاہر جھوٹا ہونے کی طرف متوجہ کیا، کیونکہ حضرت امام المنتظر علیہ السلام کے بارے میں مروی روایات اور احادیث ابن حجر ہیثمی کے قول کی نفی کرتی ہیں، مثلاً روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مہدی علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے، اسی طرح روایات میں یہ بھی ہے کہ وہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے، اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کر دیں گے جیسے پہلے ظلم و ستم سے بھری پڑی ہو گی، اس قسم کی ساری روایات بنو عباس اور اس کے دستر خوانوں پہ پلنے والے تاریخ دانوں کی کوششوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گی۔

حاصل کلام: پس اس روایت کو بعض افراد نے یونہی ذکر کر دیا ہے لیکن اس کے معتبر ہونے پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ بہت سے ایسے قرائن ہیں جو اس روایت کی نفی کرتے ہیں، جنہیں ہم مندرجہ بالا سطور میں ذکر کر چکے ہیں۔

سوال ۱۹: ہم دیکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی بعض روایات میں امام مہدی علیہ السلام کی طرف اس تعبیر کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے "الخامس من ولد السابع" یعنی وہ ساتویں امام کی اولاد سے پانچویں امام ہوں گے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے لیے ممکن تھا کہ وہ یہ کہہ دیتے کہ "السادس من ولدی" کہ وہ میری اولاد سے چھٹے امام ہوں گے، یا "الثانی عشر منا اہل البیت" کہ امام مہدی علیہ السلام ہم اہلبیت سے بارہویں امام ہیں، جیسا کہ باقی آئمہ علیہم السلام سے مروی روایات میں اس قسم کی تعبیرات موجود ہیں، امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ تعبیرات کیوں استعمال نہ کیں، یا کیا امام جعفر صادق علیہ السلام اس تعبیر کے ذریعے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے درمیان موجود شباہت اور تعلق کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے؟

جواب: سب سے پہلے تو روایت کے صحیح تسلیم کر لینے کے بعد کلام کے سیاق و سباق اور جملوں کی ترکیب میں غور و غوض کیا جائے اور نحوی، صرفی اور لغوی اعتبار سے، مختلف عوامل کے ذریعے اس بارے میں حکم لگایا جائے، ان عوامل سے میری مراد وہ چیزیں ہیں جن کا تقاضا فصاحت و بلاغت کرتی ہے، اور جن چیزوں کا طریقۂ بیان کو گھیرے ہوئے ہونا ضروری ہوتا ہے، مثلاً جملوں کی وضع قطع کے حوالہ سے، جملوں کے طویل یا مختصر ہونے کے حوالہ سے، جملہ میں بعض باتوں کو بعض پر مقدم کرنے اور بعض کو بعض کی طرف نسبت دینے کے حوالہ سے، یا بعض کو ذکر اور بعض کو حذف کر دینے کے حوالہ سے۔۔۔

پس اس اعتبار سے ممکن ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہی مقصد ہو جبکہ وہ امام مہدی علیہ السلام کا تعارف کرواتے وقت "الخامس من ولد السابع" کی بجائے کہہ سکتے تھے کہ امام مہدی علیہ السلام میری اولاد سے چھٹے امام ہوں گے، یا امام مہدی علیہ السلام ہم اہل بیت میں سے بارہویں امام ہوں گے، شاید امام جعفر صادق علیہ السلام اس تعبیر اور بلاغی طریقہ کار کے ذریعے اسے ہر اس پہلو سے کامل بنا دینا چاہتے ہوں جس پہلو سے بھی امام علیہ السلام کا مقصد تاکید و تنبیہ کرنا تھا، اور ان پہلوؤں میں اپنے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کی تصریح اور قطعی حکم بیان کرنا اور یہ بتانا شامل ہے کہ امام مہدی علیہ السلام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے، اور اسی طرح بعید نہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا

مقصد حضرت مہدی علیہ السلام اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے درمیان بعض حوالوں سے موجود شباہت کو بیان کرنا ہو، مثال کے طور پر منصور دوانیقی کے دورِ حکومت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے شیعوں سے دور رہنے پہ مجبور و مضطر تھے، اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی اپنے شیعوں سے ظاہراً دور رہنے پر مجبور ہیں، اور جس طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس بات پہ مجبور اور مضطر تھے کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اپنے وصی اور اپنے بعد امام ہونے کی وصیت کو بہت سے لوگوں سے چھپائیں، اسی طرح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں وصیت کو چھپانے پہ مجبور و مضطر تھے، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک طویل عرصہ تک قید اور اپنے شیعوں سے دور رہنے کی وجہ

سے بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہی وہ امام ہیں جو طویل عرصہ تک لوگوں سے پوشیدہ رہنے کے بعد ظاہر ہوں گے، اور زمین کو عدل و انصاف سے پُر کر دیں گے، اور انہی لوگوں نے بعد میں ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی، جسے "واقفیہ" کہا جاتا ہے، اور جیسے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے شیعہ، حکومت کی طرف سے اس ہستی کی تلاش کے سبب ظلم و ستم اور دباؤ کا شکار ہوئے جس کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے امامت کی وصیت فرمائی، بالکل اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبتِ صغریٰ کے دوران شیعوں کو بہت ظلم و جور کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے علاوہ ہمارے لیے یہ جاننا بھی بہت ضروری ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جب یہ کلام ارشاد فرمایا تو اس وقت مجلس میں موجود افراد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امام علیہ السلام نے اس بلاغی تعبیر کو استعمال کیا جس کے دیگر پہلو ہم سے مخفی ہیں کیونکہ اس روایت کے ضمن میں اس وقت موجود افراد اور محفل کے بارے میں کوئی بات بھی نقل نہیں ہوئی۔

محلِ اختصار اور عجلت میں فی الوقت ان سوالات کے یہی جواب پیش کر سکا ہوں، اللہ ہم سب کو مدد، درگذر، توفیق، راہِ راست اور سلامتی عطا فرمائے۔

والحمدللہ رب العالمین

سوالات وجوابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادارہ "مکتبۃ امیر المؤمنین ں (نجف اشرف)" کی جانب سے سماحۃ آیت اللہ العظمی الشیخ بشیر حسین النجفی (دام ظلہ الوارف) کی خدمت میں تحریری طور پر پیش کئے گئے سوالات اور ان کے جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مندرجہ ذیل سوالات مکتبہ امیر المومنینؑ (نجف اشرف) کی جانب سے حضرت آیت اللہ العظمٰی الشیخ بشیر حسین النجفی (دام ظلہ الوارف) کی خدمت میں پیش ہوئے اور ان کے جواب مختصراً آیت اللہ العظمٰی نے دیئے۔ ان سوالات کا موضوع چونکہ ہمارے موضوع سے مربوط ہے لہٰذا اضافی طور پر ہم ان سوالات وجوابات کو بھی اس کتاب میں شامل کر رہے ہیں۔ مترجم

سوالات وجوابات

سوال ۱: بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) سوائے حضرت امام علی، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام کے، تمام آئمہ علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ علماء اس کی دلیل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں "تاسعھم قائمھم افضلھم" یعنی امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے نویں امام قیام حق فرمائیں گے اور وہ ان تمام سے افضل ہیں۔ پس آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر امام کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے امام کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، یہی وہ چیز ہے جو عقلی اور عقائدی حوالے سے افضلیت کا معیار اور میزان قرار پاتی ہے، باقی رہی وہ حدیث جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے تو اگر اس حدیث کی سند صحیح ہے تو اس میں معصوم علیہ السلام فرمانا چاہتے ہیں کہ بارہویں امام علیہ السلام کو خدا نے پوری دنیا میں اسلام کے نفاذ پہ مامور فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کے لیے ہر طرح کے وسائل فراہم کرے گا، یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو فقط امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کے ساتھ مختص ہے، باقی کسی امام علیہ السلام کے ساتھ یہ فضیلت مختص نہیں ہے، جیسا کہ ہر امام کے کچھ ایسے فضائل ہوتے ہیں جو دوسرے کسی امام میں نہیں پائے جاتے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر امام کو ان کے دور کے مطابق اسلام کے دفاع اور حفاظت کے لیے کچھ ایسے کاموں پر مامور کرتا ہے جن پہ دوسرے امام مامور نہیں ہوتے، مثلاً حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے جو عظیم کام سرانجام دیا، باقی آئمہ علیہم السلام میں سے کسی نے بھی ایسا کام سرانجام نہیں دیا، اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے دور کے اعتبار سے جن امور کے سرانجام دینے پہ مامور تھے وہ فقط امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہی مختص ہیں، پس اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے کچھ ایسے فضائل ہیں جو باقی کسی امام میں نہیں پائے جاتے۔

سوال ۲: "ما منّا الا مقتول او مسموم" یعنی ہم (اہل بیت) میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو مقتول یا مسموم نہ ہو، یہ روایت اس پہ دلالت کرتی ہے کہ تمام معصومین علیہم السلام قتل یا زہر کے ذریعے دنیا سے رخصت ہوں گے، یعنی کوئی بھی طبعی طور پر دنیا سے رخصت نہیں ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ روایت بھی اسی

قاعدہ کے ضمن میں وارد ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "سعیدہ التمیمیۃ" نامی عورت امام مہدی علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کرے گی، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ روایت "جامع الاخبار" میں وارد ہوئی ہے؟

جواب: یہ روایت جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے، بلکہ خود کتاب "جامع الاخبار" کے بارے میں بھی علماء میں اختلاف ہے کہ آیا حقیقتاً یہ کتاب شیخ صدوق نے لکھی تھی یا ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہے، اور باقی رہی وہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ تمام آئمہ علیہم السلام زہر یا تلوار کے ذریعے شہید ہوں گے، بعض افراد کے نزدیک موردِ اشکال ہے، لیکن باوجود اس کے، تاریخ اور وہ حوادث جن کا سامنا آئمہ علیہم السلام کو کرنا پڑا، اس روایت کے مضمونِ کلام پہ شاہد ہیں۔

سوال ۳: شیخ مفید اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت امام مہدی علیہ السلام یمن کی وادی "شمروخ و شمریخ" میں مقیم ہیں، جبکہ یمن کی تاریخ اور اس کے جغرافیائی محلِ وقوع کے مطابق یہ بات ثابت ہے کہ یمن میں اس نام کی کوئی وادی موجود نہیں ہے، تو اب اس روایت میں یمن سے کیا مراد ہے؟

جواب: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے مقامات اور شہروں وغیرہ کے نام تبدیل ہو گئے ہیں، مثلاً یونان کا دارالحکومت ایتھنز (ATHENS)، وہ ایتھنز نہیں ہے جو حکماء اور فلاسفہ کے دور میں ہوا کرتا تھا، اور اسی طرح بہت سے باقی شہروں کا بھی یہی حال ہے، پس اس وقت اس نام کی وادی کا نہ ہونا اس بات پہ دلالت نہیں کرتا کہ جس توقیع میں اس وادی کا ذکر ملتا ہے، اس کے صدور کے وقت اس وادی کا وجود نہیں تھا، اور دوسری بات یہ ہے کہ توقیع میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ امام علیہ السلام ہمیشہ اسی وادی میں موجود رہیں گے، بلکہ ممکن ہے توقیع کے صدور کے وقت اس وادی میں ہوں، اور پھر وہاں سے کسی اور مقام کی طرف منتقل ہو گئے ہوں، کیا امام علیہ السلام کچھ عرصہ سامرہ میں نہیں رہے، اور کیا اسی طرح امام علیہ السلام حج کے دنوں میں حج کے لیے نہیں آتے، جبکہ انہیں کوئی بھی پہچان نہیں سکتا، پس اس وادی کی تلاش اور بحث وغیرہ میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سوال ۴: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضرت صاحب العصر (عجل اللہ فرجہ) کے لیے ایک نور کا گھر ہے جس کا نام بیت الحمد ہے، جبکہ ایک اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب کسی شخص کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے اور وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ اس شخص کے لیے ایک گھر بناؤ، اور اس گھر کا نام بیت الحمد رکھو۔ ان دونوں گھروں میں کیا تعلق اور ربط ہے؟

جواب: ان دونوں میں کوئی تعلق نہیں ہے، ان دونوں کے نام کا ایک ہونا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ دونوں ذاتی، نوعی اور وصفی طور پر ایک ہوں۔

سوال۵: حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں ایک نظریہ موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام ایک خاص روحانی و معنوی درجہ یا مقام پہ موجود و مقیم ہیں، اور وہاں وہ لوگوں کے اس معنوی درجہ تک پہنچنے کے منتظر ہیں، جب لوگ اس معنوی و روحانی درجہ یا مقام تک پہنچ جائیں گے تو اس وقت امام علیہ السلام ظہور فرمائیں گے، آپ کی اس نظریہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: جو نظریہ بھی معصومین علیہم السلام سے مروی روایات کے مطابق نہ ہو، اور جس نظریہ کی معصومین علیہم السلام تائید نہ کریں، وہ نظریہ علمی قواعد کے مطابق معتبر نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس کی کوئی خاص اہمیت ہوتی ہے، پس اس بناء پر صاحبِ نظریہ کو چاہیے کہ وہ اسے کسی روایت سے ثابت کرے، اور وہ اگر اسے ثابت نہیں کر سکتا تو یہ نظریہ باطل ہے۔

سوال۶: بعض روایات میں ہے "اذا قام القائم" اور بعض میں ہے "اذا ظہر القائم" ان دونوں عبارتوں کا معنی اور مفہوم کیا ہے، جبکہ یہ بات واضح ہے کہ الفاظ کے بدل جانے سے معانی بھی تبدیل ہو جاتے ہیں؟

جواب: لفظِ ظہور امام علیہ السلام کے زمانۂ غیبت کی انتہا پر دلالت کرتا ہے، اور لفظِ قیام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ امام علیہ السلام اس وقت ظاہری حکومت حاصل کر لیں گے اور اس کے ذریعے اپنے جدِّ امجد کی شریعت کو پوری زمین پر نافذ کریں گے۔

سوال۷: محقق قمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابلیس کو نیزہ مار کر قتل کریں گے، اور بعض دوسری روایات اور اخبار میں وارد ہوا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کوفہ کے قریب ابلیس کو قتل کریں گے، ان دونوں روایتوں کے درمیان جمع کس طرح ہو گا؟

جواب: سب سے پہلے تو ان دونوں روایتوں کی سند کو دیکھنا ہو گا، جو روایت بھی ضعیف ہو اسے رد کر دیں گے، اور دوسری کو معتبر سمجھیں گے، پس اس طرح دونوں روایتوں میں موجود تعارض ختم ہو جائے گا، اور اگر دونوں روایتیں سند کے لحاظ سے صحیح ہوں تو ہم اس کی تاویل و تفسیر یوں کریں گے کہ حضرت امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے شیطان کو قتل کریں گے، جیسے کوئی سلطان اپنی فوج کو کسی کام کا حکم دیتا ہے اور یہ کام سلطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور اسی معنی کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی کر رہا ہے "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" اے رسول! تم نے جس وقت ان کو پتھر مارا تو یہ پتھر تو نے نہیں مارا بلکہ خدا نے مارا (سورۃ الانفال۔ آیۃ ۱۷) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: "ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ.... " بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ در حقیقت اللہ کی بیعت کرتے ہیں...." (سورۃ الفتح۔ آیۃ ۱۰)

سوال۸: یہ بات تو واضح ہے کہ امام عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کا امام ہوتا ہے، تو کیا امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کا ظہور ان تمام عوالم میں ہو گا؟ یا وہ فقط ہمارے اس ظاہری عالم میں ظہور فرمائیں گے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق تمام عالمین کے لیے ہے "وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین" اسی طرح ارشادِ قدرت ہوتا ہے" ولکل قوم ھاد" اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہیں، پس حضرت امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہر اس مقام پہ اس شریعت کو نافذ کریں گے جو مقام اس شریعت کے تابع ہے، اور باقی رہا یہ کہ امام علیہ السلام کہاں کہاں جائیں گے اور کس طرح شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عوالم میں نافذ کریں گے تو اس کی تفصیل معصومین علیہم السلام سے مروی روایات کے بغیر ناممکن ہے جبکہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی معتبر روایات کی تعداد انتہائی کم ہے جس سے ہم تفصیلات کو نہیں جان سکتے۔

سوال۹: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کیوں امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے؟ اور یہ امر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیوں مختص ہے، کسی اور نبی کے ساتھ کیوں نہیں؟

جواب: آپ کا یہ سوال بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آئے؟ پس رسولوں، انبیاء اور حجج الٰہی کا بھیجنا خدا کا فعل ہے، اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کیا مصلحت چھپی ہوتی ہے اس کا علم فقط خدا کو ہوتا ہے۔
بہر حال اس بات کا جاننا انتہائی ضروری ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ تکالیف اور پریشانیاں اہلِ کتاب یہود اور نصاریٰ سے پہنچیں، عیسائیوں اور یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی پیروی کریں، پس جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت امام المنتظر (عجل اللہ فرجہ) کی فوج میں دیکھیں گے تو یہ ان کے لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پہ محکم دلیل ہو گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امام المنتظر (عجل اللہ فرجہ) کے ساتھ شاید اس لیے خاص قرار دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لشکرِ امام میں موجودگی جنگ سے پہلے اہلِ کتاب کے لیے اتمامِ حجت قرار پائے۔

سوال۱۰: حدیث میں وارد ہوا ہے "ان کل رایۃ قبل قیام القائم صاحبھا طاغوت یعبد من دون اللہ" یعنی حضرت القائمؑ کے قیام سے پہلے ہر صاحبِ پرچم سرکش و طاغوت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے گا، کیا اس روایت میں پرچم سے مراد پرچم جنگ ہے؟ یا پھر یہ پرچم عام ہے، مثلاً اس سے عقیدہ یا ریاست وغیرہ کا پرچم مراد ہے؟

جواب: ظاہراً اس روایت میں "رایۃ" یعنی پرچم کی تعبیر استعمال ہوئی ہے، اس سے مراد امامت یا دینی قیادت کا دعویٰ ہے، اور یہ دینی قیادت عَلمِ حق کے مقابلہ میں ہوگی، باقی رہی اسلامی عقیدہ اور شیعہ اصولوں کے لیے دفائی جنگ، تو یہ ہر اس شخص کا شرعی وظیفہ ہے جس کے لیے کسی بھی طرح ایسا کرنا ممکن ہو۔

سوال ۱۱: وہ کون سا ایسا راز ہے جس کی وجہ سے امام مہدی علیہ السلام پردۂ غیبت میں ہیں؟ نیز اس غیبت کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مصلحت اور علت کو سوائے اللہ تعالی کے کوئی نہیں جانتا، اور نہ ہی پروردگار کے علاوہ اسے جاننے کا کوئی ذریعہ ہے، پس غیبتِ امام علیہ السلام کی حقیقی علت خدا کے علم میں ہے، البتہ جو کچھ روایات سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غیبتِ امام علیہ السلام اللہ تعالی کی طرف سے بندوں کے لیے عقوبت اور سزا ہے، پس بندوں کی سرکشی، شریعت سے دوری، اور طاغوت اور جابر حکمرانوں کی پیروی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امام علیہ السلام کے مقدس وجودِ ظاہری سے محروم کر دیا ہے کیونکہ باقی آئمہ علیہم السلام لوگوں کے درمیان رہے، لیکن لوگوں نے ان کے مقدس وجود سے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے ان کے حقوق ان سے چھین لیے، اور ان سے ایسا سلوک کیا کہ وہ بے ناصر و مددگار مجتمع سے دور زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

باقی رہا کہ اس غیبت کا کیا فائدہ ہے تو چونکہ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کو اللہ تعالی کی طرف سے دین کے نفاذ اور اپنی حفاظت کے لیے معجزہ کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی، لہٰذا امام علیہ السلام کے لیے لازمی تھا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے دور پردۂ غیبت میں چلے جائیں، تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنے آپ کو ان لوگوں سے محفوظ رکھ سکیں، جنہوں نے امام مہدی علیہ السلام کے اباواجداد، ان کی اولاد اور ان کے شیعوں کو قتل کیا، یہاں تک کہ امام مہدی علیہ السلام کی مدد کرنے والوں کی اتنی تعداد میسر آجائے کہ جن کے ذریعے ان تمام حقوق کو واپس لے سکیں جو اُن سے اور اُن کے آباواجداد سے ظالموں نے چھین رکھے ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام کے اس دنیا میں مقدس وجود کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے شیعوں کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، ان کی رہنمائی کرتے ہیں اور ان کی صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے میں مدد کرتے ہیں، لیکن ہمیں اس بات کا شعور اور علم نہیں ہو پاتا کہ ہماری رہنمائی اور مدد کرنے والا محسن ہمارا امام ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس طرح سورج کے بادلوں یا کسی اور چیز میں چھپ جانے کے باوجود بھی ہم اس کے وجود سے مستفید ہوتے رہتے ہیں، بالکل اسی طرح پردۂ غیبت کے ہوتے ہوئے بھی امام علیہ السلام کے مقدس وجود سے پھوٹنے والی فیوض اور برکات کی کرنیں ہم تک پہنچتی رہتی ہیں۔

سوال ۱۲: حضرت امام مہدی (عجّل اللہ فرجہ) کی غیبت کے دوران ہمارا کیا واجب فریضہ ہے؟

جواب: ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم تقویٰ اور شریعتِ مقدسہ پر عمل کر کے امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) کے ظہور کے لیے راہ ہموار کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، اور ان دونوں کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، تا کہ امام علیہ السلام کے لیے انصار اور مددگاروں کی وافر مقدار میسر آ سکے، اسی طرح ہم پہ واجب ہے کہ ہم اپنے آپ کو نفسیاتی طور پر حقیقی شریعت کے احکام کو قبول کرنے کے لیے تیار کریں، کیونکہ حق بہت کڑوا ہوتا ہے، اور اس بات کا تجربہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ظاہری خلافت کے دور میں ہو چکا ہے کہ عدل و انصاف کے تحت کی جانے والی تقسیم اکثر لوگوں پر بہت گراں گزرتی تھی، اور اسی وجہ سے کئی لوگ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی صفوں سے بھاگ کر جگر خور کے بیٹے معاویہ ابن ابوسفیان کی فوج میں شامل ہو گئے، پس ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنے آپ کو حق کے قبول کرنے کے لیے تیار کریں، تا کہ ایسا معاشرہ اور ماحول وجود میں آ سکے جو امام علیہ السلام کے احکام کو تہہِ دل سے قبول کرے۔

سوال ۱۳: روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امام الحجۃ (عجل اللہ فرجہ) ایک نیا دین لے کر آئیں گے، اس روایت سے کیا مراد ہے؟

جواب: اگر یہ روایت سند وغیرہ کے اعتبار سے صحیح ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ حقیقی دین سے بہت دور ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے ان کے نزدیک دین کے مفاہیم بھی تبدیل ہو گئے ہیں، اور لوگ انہی تبدیل شدہ مفاہیم کے عادی ہو گئے ہیں، اور باطل سے الفت کی وجہ سے ان کی عقل اور ان کا ذہن باطل سے مانوس ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے وہ حق کو بھول چکے ہیں، پس جب امام مہدی علیہ السلام اس دینِ حقیقی کے نفاذ کے لیے قیام فرمائیں گے تو لوگ اسے ایک نیا دین تصور کریں گے، جس طرح قریش دینِ اسلام کو ایک نیا دین سمجھتے تھے، حالانکہ اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا، اور قریش اس بات پہ فخر کرتے تھے کہ ہم دینِ ابراہیمی پہ ہیں، لیکن چونکہ قریش دینِ ابراہیمی سے بہت دور ہو گئے تھے اس لیے وہ اسلام کو جدید دین تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس غلط روش پر تنبیہ کے طور پر فرمایا ہے "ملۃ ابیکم ابراہیم ھو سمّٰکم المسلمین" یعنی تمہارے آباؤ اجداد کا تعلق ملتِ ابراہیم سے تھا اور انہوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے ہی تمہیں مسلمان کا نام دیا ہے۔

سوال ۱۴: غیبت کے دوران اور ظہور کے وقت ہم کس طرح سے حضرت امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کی صحیح طور پر خدمت انجام دے سکتے ہیں؟

جواب: امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) کے ظہور کے وقت ہم ان کی مکمل اطاعت اور فرمانبرداری سے ان کی خدمت انجام دے سکتے ہیں، اور ضروری ہے کہ امام علیہ السلام کے احکام کے نفاذ اور ان پہ عمل کرتے وقت ہمارے دلوں میں ذرا برابر بھی تنگی پیدا نہ ہو، خواہ ان کے احکام ہماری خواہشات کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، بلکہ ہمارے ارادے اور ہماری خواہشات کو ان کی رضا کے تابع ہونا چاہیے، جیسے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے اصحاب کا ہر ارادہ کربلا کے میدان میں عاشور کے دن امام حسین علیہ السلام کی رضا و مرضی کے تحت تھا۔

باقی رہا کہ غیبت کے دوران ہم کس طرح امام علیہ السلام کی اطاعت و پیروی کریں تو میں گزشتہ جوابات میں اس جانب اشارہ کر چکا ہوں، اسی طریقہ کے مطابق ہم اپنا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ خداوندِ عالم ہمیں غیبتِ امام علیہ السلام کے دوران گناہوں اور منفی اعمال سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سوال ۱۵: اس آخری عرصہ کے دوران امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) سے ملاقات کے واقعات اور اقوال کافی زیادہ سننے میں آئے ہیں، کیا حضرت امام الحجۃ (عجل اللہ فرجہ) سے ملاقات یا زیارت کا شرف حاصل کرنا ممکن ہے؟

جواب: عقلی طور پر بلکہ حقیقی اور وقوعی طور پر امام زمانہ علیہ السلام کی زیارت کرنا ممکن ہے، لیکن کسی کے لیے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں امام علیہ السلام کا سفیر ہوں، یا میں شرعی احکام براہِ راست امام علیہ السلام سے لیتا ہوں، کیونکہ امام علیہ السلام کے چوتھے سفیر کی وفات کے بعد سے سفارت اور نیابتِ خصوصی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، پس جو کوئی اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا اور دھوکہ باز ہے۔ معصوم علیہ السلام نے امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی ایسے افراد کے جھوٹا ہونے کی خبر دے دی تھی، نیابتِ خصوصی وغیرہ کے جو دعوے آجکل آپ سنتے رہتے ہیں یہ تمام دشمنانِ اسلام کے خفیہ ہاتھوں اور ان کی سازشوں کا نتیجہ ہیں، کیونکہ وہ اس کے ذریعے شیعہ قوم کے درمیان انتشار پھیلانا چاہتے ہیں، اور انہیں دینِ حق سے دور کر دینا چاہتے ہیں، نیابت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ان کم عقل اور فاسق و فاجر افراد کا مقصد فقط یہ ہے کہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر دین میں خرابیاں پیدا کی جائیں اور فکرِ مہدوی علیہ السلام کو غلط رنگ دے کر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، تاکہ دنیا اس دین کو تہمات اور غیر عقلی افکار والا مذہب سمجھے، ایسے گمراہ افراد میں سے ایک شلمغانی بھی ہے کہ جس پر امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) نے اپنے خاص سفراء کے ذریعے لعنت کی تھی۔

پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس قسم کے دعوے کرنے والوں سے دور رہیں، لوگوں کے درمیان ان گمراہ لوگوں کی حقیقت کو واضح کریں اور انہیں بتائیں کہ نیابتِ خصوصی کا دعویٰ کرنے والے یہ افراد کتنی بڑی گمراہی اور ضلالت میں غرق ہیں۔

"اللھم انا نشکوا الیک فقد نبینا صلواتک علیہ و آلہ وغیبۃ امامنا وکثرۃ عدونا وقلۃ عددنا وشدۃ الفتن بنا وتظاھر الزمان علینا فصل علی محمد و آل محمد فاعنا علی ذلک بفتح منک تعجلہ بضر تکشفہ ونصر تعزہ وسلطان حق تظھرہ ورحمۃ منک تجللناھا وعافیۃ منک تلبسناھا برحمتک یا ارحم الراحمین"

ترجمہ: "خدایا ہم تیری بارگاہ میں شکوہ کرتے ہیں اپنے نبی علیہ السلام کے موجود نہ ہونے کا، (تیری رحمتیں نازل ہوں ان پر اور ان کی آل پر) اور اپنے امام علیہ السلام کی غیبت کا، اور اپنے دشمنوں کی کثرت کا، اور اپنی تعداد کے کم ہونے کا، اور آزمائش کی سختی کا، اور زمانہ کے ہم پر غالب ہونے کا، پس تو محمد و آلِ محمد پر رحمتیں نازل فرما اور ہماری ان امور میں مدد فرما جلد کامیاب و فتح عطا کرنے کے ذریعے اور پریشانیوں کو ختم کرنے کے ذریعے اور نصرت کو غالب کرنے کے ذریعے اور حق کے بادشاہ کو ظاہر کرنے کے ذریعے اور اپنی رحمت کے ذریعے جو ہم سب کے شاملِ حال ہو اور عافیت کے ذریعے جو ہمیں گھیرے ہوئے ہو۔۔۔ تجھے تیری رحمت کا واسطہ۔۔۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔۔۔!" (آمین)

سوال۱۶: امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کے ظہور کے بعد سب سے پہلے کون امام علیہ السلام کی بیعت کرے گا؟

جواب: بعض روایات میں ہے کہ امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کے اہل بدر کی تعداد کے برابر انصار ہوں گے اور وہی سب سے پہلے مکہ میں ان کی بیعت کریں گے اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام امام زمانہ علیہ السلام کی بیعت کریں گے، لیکن میرے نزدیک ان روایات کی سند ثابت نہیں ہے، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کہاں اور کون امام علیہ السلام کی سب سے پہلے بیعت کرے گا۔

سوال۱۷: حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "طوبیٰ لشیعۃ قائمنا المنتظرین لظھورہ فی غیبتہ" یعنی ہمارے قائم کے ان شیعوں کے لیے خوشخبری ہے جو غیبت کے دوران امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرتے ہیں۔ جب امام علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان شیعوں کے بارے میں کیا کرے گا؟

جواب: جب امام علیہ السلام کا ظہور ہو گا تو اللہ تعالیٰ ان شیعوں کی آنکھوں کو آفتابِ امامت کی زیارت سے ٹھنڈا کرے گا، اور انہیں مجاہدین کے درجہ پہ فائز ہونے کا موقع فراہم کرے گا، اور ان میں سے بعض امام علیہ السلام کے قدموں میں شہادت کا عظیم مرتبہ بھی حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کی وجہ سے ہر شخص انتہائی خوش ہو گا، جوش مارتے ہوئے اور مصائبِ اہلبیت علیہم السلام پر دکھی و غمزدہ دلوں کو سکون مل جائے گا، اور یہی وہ دن ہے جس کا ہم اس طرح سے انتظار کر رہے ہیں، جیسے سمندر میں ڈوبتا ہوا شخص کسی سفینہ کا انتظار کرتا ہے۔

سوال۱۸: کیا قرآنِ مجید امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ) کی اس زمین پہ موجودگی کی طرف اشارہ کرتا ہے؟

جواب: وہ آیات جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہم تک پہنچ چکی ہے، اگر ان کے ساتھ اس بات کا اضافہ کیا جائے کہ وہ حجت سوائے امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کے، اور کوئی نہیں ہو سکتی تو اس طرح ہم ان آیات کو امام زمانہ علیہ السلام کی موجودگی پر دلیل بنا سکتے ہیں، لیکن ظاہراً قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جو خصوصی طور پر امام مہدی علیہ السلام کی اس عالم میں موجودگی پر دلالت کرے۔

سوال۱۹: حضرت امام الحجۃ (عجل اللہ فرجہ) کی والدہ ماجدہ میں حمل کے آثار کیوں ظاہر نہیں ہوئے تھے؟

جواب: اس کی حکمت واضح ہے، اللہ تعالیٰ نے حمل کے آثار کو اس لیے پوشیدہ رکھا تھا تاکہ اس کے ذریعے حضرت امام الحجۃ (عجل اللہ فرجہ) کے وجود، حمل

اور ولادت کو ان لوگوں سے مخفی رکھا جاسکے جو امام علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے ان کی تلاش میں تھے۔

سوال ۲۰: یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ جس زمانہ میں امام مہدی علیہ السلام نے ظہور فرمانا ہے اس کی ابتداء غیبتِ کبریٰ کے پہلے دن سے ہو چکی ہے، لیکن سوال یہ ہے اس وقت رونما ہونے والے حادثات دکھ اور تکلیفیں وغیرہ خصوصاً کہا جارہا ہے کہ محمد نفس زکیہ کوفہ کی پچھلی جانب یکم رجب کو اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو چکے ہیں، کیا ان تمام واقعات اور حادثات کا یہ مطلب ہے کہ ہم اس وقت ظہور کے بالکل قریب ہو چکے ہیں؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم گزشتہ طویل عرصہ سے مسلسل ظہور کے قریب ہو رہے ہیں، ہماری زندگی میں گزرنے والا ہر لحہ ہمیں ظہور کے قریب لے جارہا ہے، لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ آپ کی اس نفسِ زکیہ سے کیا مراد ہے جو کوفہ کی پچھلی جانب شہید ہوا، البتہ اس وقت تک اس سلسلہ میں جتنے بھی نام پیش کیے گئے ہیں ان پر وارد شدہ روایات صادق نہیں آتیں، حقیقت یہ ہے کہ ظہور کی حتمی علامات میں سے اب تک ایک بھی ظاہر نہیں ہوئی۔

سوال ۲۱: ہماری مختلف کتابوں اور مصادر میں ظہور سے پہلے والے زمانے، عصرِ ظہور اور ظہور کے بعد والے زمانے کے بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن ان روایات میں سے بعض موردِ شک ہیں، کیونکہ ان روایات میں کچھ مستند ہیں، کچھ متواتر ہیں، کچھ مرسلہ ہیں، کچھ ضعیف ہیں اور کچھ حسن ہیں، پس جب ہم اس میزان اور طریقہ کار کے مطابق دیکھتے ہیں تو ہمیں ان سے مختلف قسم کے نتائج حاصل ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ تو ہمیں ابہام کی حد تک پہنچا دیتے ہیں اور کچھ سے ہمیں مکمل معرفت حاصل نہیں ہوتی، پس اس مسئلہ کا آپ کے پاس کیا حل ہے کہ جس کے ذریعے ایک ہی طرح کے یقینی نتائج تک پہنچیں؟

جواب: ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم ان روایات کو تسلیم کریں جو کسی معتبر دلیل کے ذریعے ثابت ہوں، اور جو روایات کسی معتبر دلیل سے ثابت نہ ہو سکیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھیں، یہاں تک کہ ہم پہ حقیقت واضح ہو جائے۔

والحمدللہ رب العالمین